صبح صادق کے وقت پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ سے اختلاف کی تحقیق:

سوال: قال مولانا مفتی رشید أحمد أدام اللّٰہ حیاته فی أحسن الفتاویٰ:

إن الجَداوِل لأوقات الصلوات فی عامة المساجد لیست بصحیحة ونقل جهده وجهد علماء عصره بهذا الصدد و ذکر اسمک بین هذه العلماء ونقل موافقتکم معه فی رأیه وذکر فی الأخر رجوعکم عن موافقة المذکورة وأسف علیٰ هذا شدیدًا وقال رجعوا بغیر دلیل واستدلال وبغیر قیل وقال.(۱)

الجواب

قد وقع تحقیق مسئلة وقت الصبح الصادق فی زمن والدی الشیخ المفتی محمد شفیع و العلامة الشیخ البنوری رحمهما اللّٰہ تعالیٰ،وکانا فی أول الأمر قد مالا إلیٰ رأی شیخنا المفتی رشید أحمد حفظه اللّٰہ تعالیٰ ولکن بعد المشاهدات المتوالیة ومراجعة کتب الفقه والحساب عدلا عن رأیه.

المشاهدة التی ذکرها شیخنا المفتی رشید أحمد حفظه اللّٰہ تعالیٰ فهی مشاهدة"ٹنڈو آدم" وکانت إحدی المشاهدات مابین عدة مشاهدات وکان مطلع الشرق إذ ذاک مغبرًا ولم یکن أحد یری أن هذه المشاهدة کافیة للوصول إلیٰ نتیجة حاسمة فلاینبغی التعویل علیها.واللّٰہ سبحانه أعلم(۲)

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ-(۴/۵/ ۱۴۰۵ھ)-(فتاویٰ عثمانی:۱/۳۹۵)

(۱) خلاصۂ سوال: مولانا مفتی رشید احمد ادام اللہ حیاتہ نے احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ عموماً مساجد میں جو نقشے اوقات صلوٰۃ کے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں-اوراس سلسلہ میں اپنی ومختلف علما کی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے اوراسی ضمن میں آنجناب کا نام بھی شمار کیا ہے، اورآپ کی موافقت اپنے ساتھ اپنی رائے میں نقل کی ہے اورآخر میں اس موافقت سے آپ کے رجوع کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے بغیر کسی دلیل واستدلال اور بغیر کسی قیل وقال کے رجوع کرلیا ہے-انیس

(۲) خلاصۂ جواب: وقت صبح صادق کے مسئلے کی تحقیق میرے والد محترم مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور علامہ شیخ بنوری رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہوئی تھی، یہ دونوں حضرات شروع میں شیخ مفتی رشید احمد حفظہ اللہ کی رائے سے متفق تھے،لیکن بعد کے لگاتار مشاہدات اور کتب فقہ وحساب کی طرف مراجعت کے بعد انہوں نے ان کی رائے سے عدول کرلی اور ہمارے شیخ مفتی رشید احمد حفظہ اللہ نے جس مشاہدہ کا تذکرہ کیا ہے وہ ''ٹنڈو آدم'' کا مشاہدہ ہے اور یہ چند مشاہدات میں سے ایک ہے اوراس وقت سورج نکلنے کی جگہ ابر آلود تھی، اورکوئی بھی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مشاہدہ حتمی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کافی ہے،لہذا اس پر اعتماد مناسب نہیں ہوسکتا-واللہ اعلم-انیس

فجر کی اذان بعد صبح صادق متصلاً:

سوال: ہمارے یہاں فجر کی اذان صبح صادق کے پانچ منٹ بعد ہوتی ہے جبکہ بعض لوگ صبح صادق سے دس منٹ بعد بھی اذان دینے میں کراہت سمجھتے ہیں، لہذا صبح صادق کے بعد اذان دینا کیسا ہے، اس کا جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جنتری اور گھڑی کے وقت میں فرق ہوسکتا ہے، لہذا احتیاط کیا جائے، دس منٹ نہ سہی، تو سات منٹ کے وقفہ سے اذان دینا اچھا ہے۔ شمسی تقویم میں حسب ذیل ہدایت لکھی ہے۔

یاد رہے کہ یہ ٹائم ٹیبل (جنتری) حساب سے تیار شدہ ہے، اس پر ایسا اعتماد کرنا کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہو مناسب نہیں، اس کا مدار صرف حساب پر ہونے کی وجہ سے غلطی کا امکان ہے۔

ایسے ہی گھڑی کے وقت میں بسا اوقات تقدیم وتاخیر کے سبب نماز وروزہ کی ادائیگی میں حسب ذیل احتیاط ضروری ہے

(۱) صبح صادق کے تحریر کردہ وقت سے دس منٹ قبل ہی سحری کا آخری وقت سمجھا جائے۔

(۲) صبح صادق کے ذکر کردہ وقت سے پانچ (بلکہ دس) منٹ بعد ہی فجر کی اذان دی جائے۔

(۳) طلوع آفتاب کے بتائے ہوئے وقت سے پانچ منٹ قبل ہی فجر کی نماز سے فارغ ہوجائے۔

صبح صادق جاننے کا طریقہ:

صبح صادق ہونے سے پہلے پورب جانب آسمان کے بالکل کنارے میں روشنی کی کرن لکیر کی طرح نکلتی ہے، اس کرن کا ایک کنارہ پورب آسمان کے کنارہ میں رہتا ہے، اور دوسرا پچھّم جانب اوپر آسمان میں آتا ہے پھر آہستہ آہستہ یہ روشنی غائب ہوجاتی ہے اور تاریکی چھاجاتی ہے یہ صبح کاذب ہے، اس وقت فجر کا وقت شروع نہیں ہوتا ہے اس کے کچھ دیر (تقریباً ۱۲/منٹ) بعد پھر آسمان کے بالکل پورب کنارے میں ایک روشنی ظاہر ہوتی ہے جو چوڑائی میں یعنی اتر دکھن میں پھیل کر نکلتی ہے اور آہستہ آہستہ اوپر آسمان پر بڑھتی ہے، یہی روشنی ظاہر ہونے کا وقت صبح صادق ہے اور اس روشنی کے نکلتے ہی فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

لیکن احتیاط یہ ہے کہ صبح صادق کی روشنی جیسے ظاہر ہو اس وقت یہ سمجھنا چاہئے کہ عشا اور سحری کا وقت ختم ہوگیا اور روشنی کچھ پھیل جائے تو فجر ہونے کا یقین کرنا چاہئے۔ (عالمگیری: ۵۱/۱)

آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے ذرا پہلے ہی وقت فجر ختم ہوجاتا ہے، اگر کوئی فجر کی نماز شروع کرے اور سلام کرنے سے پہلے آفتاب کا کنارہ ظاہر ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی، مکروہ وقت نکلنے کے بعد اس کی قضا پڑھے۔ (شامی: ۳۵۹/۱)

عورتوں کے لئے پورے سال ہر جگہ اندھیرے (غلس) میں پڑھنا مستحب ہے۔ (درمختار مع شامی: ۳۶۶/۱)

فجر کے علاوہ باقی اوقات میں عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ ان اوقات کی جماعت ختم ہونے کے بعد فرض نماز پڑھیں۔ (درمختار مع شامی: ۳۶۶/۱) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، صفحہ: ۱۶۹-۱۷۰) انیس)

(۴) عصر کا ابتدائی وقت لکھا ہے اس کے پانچ منٹ بعد اذان دی جائے۔

(۵) غروب کے ذکر کردہ وقت کے پانچ منٹ بعد ہی اذان دی جائے۔

(۶) عشا کا ابتدائی وقت لکھا ہے اس سے پانچ (بلکہ دس) منٹ بعد اذان کہے۔ (شمسی تقویم)

صبح صادق ہوتے ہی اذان کہنا درست ہے، مگر صبح صادق کی پہچان مشکل ہے اور ٹائم ٹیبل (جنتری کے حساب) میں بھی غلطی کا امکان ہے، گھڑیوں کے وقت میں بھی فرق ہوتا ہے، لہذا صبح صادق کے لکھے ہوئے وقت سے دس منٹ پہلے سحری کھانا بند کردے اور دس منٹ کے بعد فجر کی اذان کہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۹/۸، ۱۳۰)

صبح صادق کے بعد پانچ سات منٹ کی تاخیر:

سوال: سحری کے اختتام کے کتنی دیر بعد اذانِ فجر ہونی چاہئے، اگر کچھ دیر بعد اذان ہونی چاہئے تو اس کی دلیل یا ثبوت پیش فرمائیں؟

الجواب

اذان کا وقت صبح صادق کے ہوتے ہی شروع ہوجاتا ہے، پانچ سات منٹ کی تاخیر اس لئے کی جاتی ہے تاکہ فجر خوب واضح ہوجائے۔

كما قال عليه السلام: "لاتؤذن حتى يتبين لك الفجر". (الحديث)(۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۳/۱۰/۱۴۰۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۱۶/۲)

اذان وجماعت فجر:

سوال: فجر کی نماز جماعت طلوع آفتاب سے کتنی پیشتر ہونی چاہئے؟ اور دیگر یہ کہ اذان فجر جماعت سے کتنی پہلے ہونی چاہیے؟

الجواب

شامی میں ہے:

قال أبو حنيفة: يؤذن للفجر بعد طلوعه. (۲)

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الأذان قبل دخول الوقت (ح: ٥٣٤) انيس

(۲) ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۷/۱، ظفير

عن علي بن ربيعة قال: سمعت علياً يقول لمؤذنه: أسفر أسفر يعني صلاة الصبح. (المصنف لعبدالرزاق، باب وقت الصبح: ٥٦٩/١ (ح: ٢١٦٥-٢١٦٦)/شرح معاني الآثار، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر أي وقت هو؟ (ح: ١٠٧٤): ١٨٠/١/المعجم الأوسط: ٣٧٨/٢ (ح: ١٠٥٩) انيس)

یعنی صبح صادق ہونے کے بعد فوراً کہنا بہتر ہے، اگر فوراً نہ ہو تو بعد میں کہے۔ الغرض تمام وقت نماز کا، اذان کا بھی وقت ہے، **كما في الشامي: ولعل المراد بيان الاستحباب وإلا فوقت الجواز جميع الوقت.** (۱)

اور جماعت فجر کی اسفار کے وقت ہونی چاہیے، یعنی جس وقت خوب روشنی ہو جاوے۔ (۲) اس کی مقدار درمختار میں یہ لکھی ہے کہ آفتاب کے نکلنے سے اتنی پہلے نماز شروع کریں کہ چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھ سکیں اور پھر اعادہ کی ضرورت ہو تو اعادہ کرلیں۔ (۳)

غرض تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آفتاب نکلنے سے جماعت کریں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۹-۳۰)

وقت نماز فجر بعد طلوع صبح صادق:

سوال: اگر صبح صادق چار بجے ہو تو جماعت صبح کا وقت اصلی کونسا ہوگا؟

الجواب

اگر صبح صادق ۴ بجے مثلاً ہوتی ہے تو نمازِ فجر پانچ سوا پانچ بجے تک بلکہ اس کے بھی بعد تک پڑھ سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ طلوع آفتاب سے دس پندرہ منٹ پہلے فارغ ہو جانا چاہئے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۷-۴۸)

(۱) رد المحتار، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۳۵۷. ظفير

(۲) عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر فانه أعظم للأجر. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الإسفار بالفجر (ح: ۱۵٤)/سنن أبي داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤)/سنن النسائي: ۱/۲۷۲ (ح: ٥٤٨)/مسند أبي حنيفة رواية أبي نعيم: ۱/٤۱/مسند الشافعي ترتيب سنجر، باب الإسفار بالصبح (ح: ۱۳۲) المصنف لابن أبي شيبة، مارواه رافع بن خديج (ح: ۳۲٤۲-٦٤) مسند الإمام أحمد، حديث رافع بن خديج (ح: ۱۷۲۸٦-۲۳٦۳٥) مسند البزار، ومماروى جابر عن أبي بكر عن بلال (ح: ۱۳٥۷) المسند للشاشي، ماروى بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۹٤۲) الصحيح لابن حبان، ذكر لفظة تعلق بهامن جهل صناعة الحديث (ح: ۱٤۹۰) المعجم الأوسط للطبراني، ذكر من اسمه: هاشم (ح: ۹۲۸۹)/وقال الترمذي حديث حسن صحيح. انيس)

في سنن الدارمي، باب الإسفار بالفجر (ح: ۱۲٥٤): عن رافع بن خديج قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نوروا بصلاة الفجر فإنه أعظم للأجر.

وفي شرح معاني الآثار، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر أي وقت هو؟ (ح: ۱۰٦۸)، والمعجم الأوسط للطبراني، من اسمه ثابت (ح: ۳۳۱۹)

(۳) (والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين اٰية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة، ج: ۱، ص: ۳۳۹. ظفير مفتاحي

(۴) (وقت) صلوٰة (الفجر) ... الخ، (من أول طلوع الفجر الثاني) ... الخ، (إلىٰ) قبيل (طلوع ذكاء) الخ، (والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين اٰية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: كتاب الصلوٰة: ۱/۳۳۱. ظفير)

نمازِ فجر کا مستحب وقت:

سوال: فجر کی نماز میں چند مسلمانوں کے درمیان اختلاف پڑا ہوا ہے۔ اوقات طلوع شمس حیدر آباد دکن ۵ بجکر ۴۵ لحظہ پر اور غروب ۶ بجکر ۵۶ منٹ پر ہوتا ہے، اس لئے یہاں دن رات کا شمار تقسیم بالمناصفہ سے کیا جاتا ہے، لیکن یہاں کے اکثر حضرات اختلاف کی وجہ سے غلس میں نماز پڑھتے ہیں۔ ساڑھے چار بجے فجر پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ اسفار میں ۵ بجے کے بعد پڑھتے ہیں۔ لہٰذا حنفی مذہب میں جو اصح اور متفق علیہ ہو وہ تحریر فرماویں؟

الجواب

نمازِ فجر میں عند الحنفیہ اسفار مستحب ہے، مستحب کہنے سے معلوم ہوا کہ غلس میں درست ہے، مگر بہتر اسفار ہے اور اسفار کے معنی ظہور نور اور انکشاف ظلمت کے ہیں۔ پس جبکہ طلوع آفتاب ۵ بجکر ۴۵ منٹ پر ہو تو ۵ بجے کے بعد عمدہ وقت اسفار کا ہے۔(۱) اور ساڑھے چار بجے پڑھنے والے بھی لائق ملامت کے نہیں ہیں، کیونکہ غلس میں پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔(۲) اختلاف صرف افضلیت وعدم افضلیت میں ہے، جواز میں اختلاف نہیں ہے۔(۳)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به هو المختار. (الدر المختار) وفي الشامي: (قوله بإسفار) أي في وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۳۱-۳۲)

(۱) عن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (رواه الترمذي وأبو داؤد والدارمي. (مشكوٰة، باب تعجيل الصلوٰة، ص: ٦١. ظفير) (سنن الترمذي، باب ما جاء في الإسفار بالفجر (ح: ١٥٤) / سنن أبي داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤) / وفي سنن الدارمي، باب الإسفار بالفجر (ح: ١٢٥٤) بلفظ: نوروا. انيس)

(۲) وعن عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن مايعرفن من الغلس، متفق عليه. (مشكوٰة، باب تعجيل الصلوٰة، ص: ٦٠، ظفير) (عائشة قالت كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلوة لا يعرفهن أحد من الغلس. (الصحيح للبخاري، كتاب الصلوٰة، باب وقت الفجر (ح: ٥٧٨) / الصحيح لمسلم، باب استحباب التبكير بالصبح (ح: ٦٤٥-١٤٥٨) / مستخرج أبي عوانة، باب صفة وقت الفجر وآخر وقتها وصفة الفجر (ح: ١٠٩١) انيس)

(۳) قوله صلى الله عليه وسلم: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. أقول: هذا الخطاب لقوم خشوا تقليل الجماعة جداً أن ينتظروا إلى الإسفار أو لأهل المساجد الكبيرة التي تجمع الضعفاء والصبيان وغيرهم لقوله صلى الله عليه وسلم: أيكم صلى بالناس فليخفف فإنه فيهم الضعيف، الحديث. أو معناه طولوا الصلاة حتى يقع آخرها في وقت الإسفار لحديث برزة كان ينتقل في صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه. (حجة الله البالغة، اوقات الصلاة: ١/٣٢٠) والحديث الأول رواه الإمام مالك، باب العمل في صلاة الجماعة (ح: ١٣) ت: عبد الباقي / والثاني البخاري في صحيحه، باب وقت العصر (ح: ٥٤٧) انيس)

(۴) رد المحتار، كتاب الصلوٰة، الجزء الأول، ص: ٣٣٩، ظفير

صبح کی نماز کب پڑھی جائے:

سوال: صبح کی نماز کے بعد کتنا وقت رہنا چاہئے؟

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے۔(۱) یعنی تاخیر کرنی چاہئے اس قدر کہ نمازِ فرض ادا کرنے کے بعد اتنا وقت طلوع آفتاب تک باقی رہے اگر امام وغیرہ کا بے وضو ہونا ظاہر ہو یا کسی وجہ سے نماز کے اعادہ کی ضرورت ہو تو آفتاب کے طلوع سے پہلے پہلے پھر نماز کا اعادہ ہو سکے۔ پس پندرہ بیس منٹ باقی رہنا طلوع آفتاب میں بعد نماز کے کافی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد دوم صفحہ ۴۳ و ۴۴)

فجر کی نماز کب پڑھی جائے:

سوال (۱) فجر کا وقت ختم ہونے سے کتنی دیر پہلے نماز جماعت ہو جانا چاہئے؟

(۲) نمازِ فجر کے لئے اس وقت کھڑا ہونا کیسا ہے، جب کہ ایک رکعت کے بعد یا سلام پھیرنے سے پہلے وقت قضا ہو جاتا ہے؟

الجواب　　حامدًا و مصلیًا

(۱) اتنی دیر پہلے کہ اگر نماز ختم ہو جانے پر معلوم ہو کہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہے، کسی وجہ سے نماز خراب ہو گئی ہے، تو سنت کے موافق دوبارہ سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جا سکے۔(۲)

(۲) اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔(۳) اتنی دیر تک مؤخر کرنا جائز نہیں گناہ ہے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۲/۵)

---

(۱) والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر بإسفار والختم به هو المختار بحیث یرتل أربعین آیة ثم یعیده بطهارة لوفسد.(الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، ج:۱، ص:۳۳۹. ظفیر)

(۲) ''یستحب تأخیر الفجر، ولایؤخرها بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس، بل یسفربها بحیث لوظهر فساد صلاته، یمکنه أن یعیدها فی الوقت بقراءة مستحبة''.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلوٰة، الباب الأول فی المواقیت ومایتصل بها: ۵۱/۱، ۵۲، رشیدیة)

(۳) ''بخلاف الفجر الخ: أی فإنه لایؤدی فجر یومه وقت الطلوع، لأن وقت الفجر کله کامل فوجبت کاملة، فتبطل بطروّ الطلوع الذی هو وقت الفساد''(ردالمحتار، کتاب الصلوٰة: ۳۷۳/۱، سعید)

''ولو طلعت الشمس وهو فی خلال الفجر، فسدت صلاته عندنا''(المبسوط، باب مواقیت الصلوٰة: ۳۰۴/۱، المکتبة الغفاریة، کوئٹه)

(۴) ''قال عطاء بن دینار: ''الحمد لله الذی قال: ''عَنْ صَلاَتِهِمْ سَاهُوْنَ'' ولم یقل: ''فِیْ صَلاَتِهِمْ سَاهُوْنَ''، ==

نمازِ فجر میں تاخیر:

سوال: یہاں کے امام نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں کہ زردی صبح کی ظاہر ہو جاتی ہے اور ظہر کی نماز میں دو چند سایہ تک دیر کرتے ہیں اور عصر کی نماز گھڑی بھر دن رہے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نماز میں تاخیر لازم ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اول اوقات کی تاکید وارد ہے۔

الجواب ——————

آپ کے امام صاحب جن اوقات میں صبح اور ظہر اور عصر کی نماز پڑھتے ہیں یہ حنفیہ کے مذہب اور کتب فقہ کے موافق ہے۔ صبح میں خوب اسفار کرنا اور عصر میں تاخیر کرنا اس قدر کہ گھنٹہ پون گھنٹہ دن رہ جاوے مستحب ہے اور موسم گرما کے ظہر میں ابراد اور تاخیر کرنا مستحب ہے مگر دو مثل سایہ سے پہلے پہلے پڑھ لی جاوے۔(۱)

احادیث میں صبح میں اسفار کی فضیلت اور عصر کی تاخیر وارد ہوئی ہے۔ اور ظہر میں ابراد کا حکم وارد ہوا ہے۔ باقی اوقات نماز کے ابتدا و انتہا معروف و مشہور ہیں، افضل یہ ہے جو مذکور ہوا۔(۲) فقط (فتاوی دار العلوم دیو بند: ۲/۴۸-۴۹)

== إما عن وقتها الأول فيؤخرونها إلى آخره دائماً أو غالباً ... ومن اتصف بجميع ذلك فقد تم له نصيبه منها، و كمل له النفاق العملي، كما ثبت في الصحيحين: "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " تلك صلوٰة المنافق، تلك صلوٰة المنافق، تلك صلوٰة المنافق، يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني الشيطان، قام فنقر أربعاً لايذكر الله فيها إلا قليلاً". (تفسير ابن كثير: ٤/ ٧١٨، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

"قال اللّٰه تعالىٰ: "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلاَتِهِمْ سَاهُوْنَ"...... وقال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما وجماعة: تأخيرها عن وقتها". (روح المعاني: ٣٠/ ٢٤٢، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(١) ويستحب في صلوٰة الفجر الإسفار بها بأن تصلى في وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة والغلس الخ لقوله عليه السلام: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر، رواه الترمذي. وقال حديث حسن الخ ثم استحباب الإسفار عندنا عام في الأزمنة كلها إلا في صلوٰة الفجر يوم النحر بمزدلفة فإن المستحب فيها التغليس إجماعاً، الخ، ويستحب أيضاً عندنا الإبراد بالظهر في الصيف لما تقدم من الحديث "إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة الخ وهو عام في جميع البلاد بجميع الناس لإطلاق الحديث، ويستحب أيضاً عندنا تأخير العصر في كل الأزمنة إلا يوم الغيم مالم تتغير الشمس، الخ، كما ورد عنه عليه السلام في حديث بريدة: أنه صلى الله عليه وسلم صلى العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية. (غنية المستملي: ٢٣٠، ظفير)

(٢) (والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (بإسفار والختم به) الخ، (وتأخير ظهر الصيف)...(مطلقاً) الخ، (و) تأخير (عصر) صيفاً وشتاءً توسعة للنوافل (مالم يتغير ذكاء) الخ، (و) تأخير (عشاء إلىٰ ثلث الليل) الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ١/ ٣٣٩، ظفير)

عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله يقول: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الإسفار بالفجر (ح: ١٥٤)/ سنن أبي داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤) انيس) ==

نماز فجر میں تاخیر کا حکم اور اس میں آیات کی مستحب مقدار:

سوال: براہ کرم اس مسئلے میں مطلع کریں کہ نماز فجر کے وقت تاخیر کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نماز فجر میں اتنی تاخیر کرنا جس سے نماز میں ہی سورج نکل آنے کا خطرہ ہوجائے درست نہیں ہے۔ نماز فجر آفتاب نکلنے سے ۳۰/۲۵ منٹ پہلے شروع کریں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۹)

نمازِ فجر رمضان میں صبح سویرے پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں:

سوال: رمضان شریف میں فجر کی نماز سحری کے بعد ذرا سویرے پڑھ لی جاوے، تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

کچھ حرج نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۴۵)

رمضان المبارک میں فجر کی نماز معمول سے پہلے پڑھنا:

سوال: اگر رمضان کے مہینہ میں فجر کی نماز مقررہ اوقات سے پہلے پڑھ لی جائے اور سحری اور نماز میں زیادہ

== عن عبد اللّٰہ بن عمر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه قال: إذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة فإن شدة الحر من فيح جهنم (الصحيح للبخارى، باب الإبراد بالظهر فى شدة الحر (ح: ٥٣٣)/سنن الترمذى، باب ماجاء فى تأخير الظهر فى شدة الحر (ح: ١٥٧) انيس)

(۱) (والمستحب) للرجل (الابتداء) فى الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين اٰية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلوٰة: ١/٣٣٩، انيس)

(۲) وقت صلوٰة الفجر . . . الخ ... من أول طلوع الفجر الثانى، الخ، إلٰى قبيل طلوع ذكاء. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلوٰة: ١/٣٣١-٣٣٢)

وعن قتادة عن أنس أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم و زيد بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورهما قام نبى اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الى الصلوٰة فصلى قلنا لأنس: كم كان بين فراغهما من سحورهما و دخولهما فى الصلوٰة قال: قدر مايقرأ الرجل خمسين اٰية. (الصحيح للبخارى، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر (ح: ٥٧٦-١١٣٤)/ مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالك رضى اللّٰه عنه (ح: ١٢٧٣٩)/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب تعجيل صلاة الصبح (ح: ٢١٤١) انيس)

وقفہ نہ رکھا جائے، کیوں کہ بعض لوگ سحری کے بعد آرام کی غرض سے لیٹ جاتے ہیں تو جماعت کے چھوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے، کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ (عظیم اللہ خاں، عمیر کھیڑ)

الجواب

صبح صادق ہونے کے بعد فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اگر رمضان المبارک میں اول وقت میں نماز ادا کرلی جائے تاکہ لوگوں کو سہولت ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ واقعہ ہے کہ فجر کی جماعت دیر سے رکھی جائے تو بہت سے لوگ سحری کھا کر سو جاتے ہیں اور نماز کے لیے اٹھ نہیں پاتے، احناف کے یہاں جو فجر میں تاخیر افضل ہے، وہ اسی لیے کہ اس میں زیادہ لوگوں کے جماعت میں شریک ہونے کی امید ہوتی ہے، اب اگر یہ مقصد اول وقت میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہو، تو اسی وقت میں نماز ادا کرنا بہتر ہوگا۔(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۲۲-۱۲۳)

رمضان میں نمازِ فجر اول وقت میں پڑھنا:

سوال(۱) کیا صرف رمضان المبارک میں بعد اذان فوری جماعت بہتر ہے، یا بعد اذان گیارہ ماہ کی طرح، وقت حنفی پر جماعت کے درمیان وقت کے انتظار میں حسب عادت ذکر اللہ کرنا بہتر ہے، جب کہ بارہ ماہ ظہر، عشا، فجر کی اذان اور جماعت میں نصف گھنٹہ اور ایک گھنٹہ تک درمیانی وقت ہوجاتا ہے؟

(۲) کیا حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل تمام ماہِ رمضان المبارک میں یہی معمول رہا کہ اذان کے فوری بعد نماز با جماعت ادا کی ہو، یا کیا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ماہِ رمضان المبارک میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ ایسا کرلیا جائے؟

(۳) جو متولی جماعت کا پابند نہ ہو، بارہ ماہ نمازِ ظہر، عصر و مغرب گھر پر پڑھتا ہو اور عشا اور فجر صرف مسجد میں، یا کوئی متولی مسجد میں بالکل کسی وقت نہ جائے، اس کو متولی ہونے کی حیثیت سے یہ حکم صادر کرنا کہ جماعتِ فجر رمضان میں فوری بعد اذانِ فجر کی جائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "يستحب الإسفار وهو التأخير للإضاءة بالفجر ...لأن في الإسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما تؤدى إلى الكثير أفضل". (مراقي الفلاح مع الطحطاوی: ۱۲۱.محشی)

والمستحب فی صلاة الفجر عند مالک والشافعی التغليس وعند أبی حنيفة وأصحابه الإسفار بها وقال بعض المتأخرين يجمع بين التغليس والإسفار وعن أبی عبدالله إذا لم يكن عذر من انتظاره القوم وغيره فالتعجيل أفضل وإن عذر فالإسفار أفضل. (النتف فی الفتاویٰ للسغدی، كتاب المواقيت، أوجه الوقت: ۱/۵٤، انيس)

(۴) جس مسجد میں اکثریت ۲۵ یا ۳۰ نمازیوں کی ماہِ رمضان میں حسب معمول گیارہ ماہ کی طرح جماعت کیلئے رضامند ہوں اور ۸ یا ۱۰ آدمی متولی مسجد کے حکم سے بعد اذانِ فجر فوراً جماعت کریں، دوسری جماعت پھر اکثریت کی تعداد کے ساتھ کی جائے تو اس میں کونسی جماعت کے افراد حق پر ہیں؟

(۵) متولی امام کو مسجد وقف سے بارہ روپے ماہانہ دیتا ہے، نیز روپیہ محلّہ کے نمازی بصورتِ چندہ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں متولی امام کو حکم دے کہ تم کو ہماری جماعت کی نماز پڑھانی ہے۔ کیا یہ حکم متولی کا دینا اور امام کے لئے اس کی تعمیل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) حدیث پاک میں فجر کو اندھیرے میں پڑھنے کے بجائے روشنی پھیل جانے پر پڑھنے کا حکم ہے:

''أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر''. (الحديث)(۱)

فقہائے احناف نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔(۲)

---

(۱) جامع الترمذی، أبواب الصلوٰة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر: ۱/۴۰، سعيد

(۲) ''يستحب تأخير الفجر، ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس، بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته، يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة''، كذا في التبيين، وهذا في الأزمنة كلها إلا صبيحة يوم النحر للحاج بالمزدلفة، فإن هناك التغليس أفضل، هكذا في المحيط''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲-۵۳، رشيدية)

''عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: '' أمني جبريل وصلی بي الفجر حين حرم الطعام والشراب على الصائم''. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلوٰة: ۱/۶۲، إمدادية، ملتان)

''عن قتادة عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن زيدا بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه حدثه: ''أنهم تسحروا مع النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، ثم قاموا إلى الصلوٰة، قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين أو ستين يعني آية''. (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۱/۸۱، قديمي)

''قال الشعراني في الميزان: ''وفي رواية أخرىٰ لأحمد رحمه الله تعالىٰ: ''الاعتبار بحال المصلين، فإن شق عليهم التغليس كان الإسفار أفضل، وإن اجتمعوا كان التغليس أفضل.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ في ردالمحتار: '' نعم ذكر شراح الهداية وغيرهم في باب التيمم: ''أن أداء الصلوٰة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة''. (فتح الملهم، كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها وهو التغليس وبيان قدر القراءة فيها: ۲/۲۱۲، المكتبة الرشيدية، كراچی)

گو صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لینے سے بھی نماز بلا کراہت ادا ہوجائے گی۔(۱) مگر عامۃً نمازی اس وقت پر حاضر نہیں ہو پاتے، جماعت کی شرکت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

ویسے ہی اذان و جماعت میں اتنے فصل کا حکم ہے کہ نماز کی تیاری کرسکے،(۲) (مغرب میں یہ بات نہیں)۔

فیض الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کے بعد عامۃً لوگ سوجاتے ہیں، دیر میں اٹھتے ہیں، نماز قضا ہوجاتی ہے، اس لئے صبح صادق کے بعد اوّل وقت میں فجر کی نماز پڑھ لی جائے، تو سب کو جماعت مل جاتی ہے، نمازیوں کے جمع ہونے کی سہولت کی خاطر اور ان کی نماز کو فوت ہونے سے بچانے کے لئے اس پر عمل کرلیا جائے، لیکن اگر نمازی گیارہ ماہ کے وقت پر حاضر ہوکر شرکتِ جماعت کریں اور اسی کو پسند کریں، تو یہ بھی درست ہے، بلکہ اصل مذہب ہے۔(۳) اب نمازیوں کو ایک دوسرے پر طعن کرنا اور جائز و ناجائز کی بحث کرنا اس مسئلہ میں ٹھیک نہیں۔(۴)

جب نماز دونوں طرح بلا کراہت ادا ہوجاتی ہے تو نزاع ختم کیا جائے، پابند نمازیوں کی اکثریت کو ترجیح دی جائے۔(۵)

---

(۱)　ولأن في الإسفار تكثير الجماعة،وفي التغليس تقليلها،ومايؤدي إلى تكثير الجماعة فهو أفضل". (المبسوط،باب مواقيت الصلوٰة: ۱/ ۲۹۵،المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۲)　" ينبغي أن يؤذن في أول الوقت،ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضي من وضوئه،والمصلي من صلاته،والمعتصر من قضاء حاجته" (الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلوٰة،باب الأذان،الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/ ۵۷،رشيدية)

(۳)　والذي يظهر أن العمل في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع أن الزمان إذ ذاک كان زمان الشدة في العمل، والناس كانوا يتقيدون بصلاة الليل،فلم تكن الجماعة تختل بالتغليس،ثم إذا نشأ الإسلام وكثر المسلمون وعلم أن فيهم ضعفاً، عمل بالإسفار في زمن الصحابة رضي الله عنهم لئلا يفضي إلىٰ تقليل الجماعة،وقد علمت فيما سبق أن بطأ الناس وتعجيلهم مما قد راعاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أيضاً، فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً في التغليس لقلنا به أيضاً،كما في مبسوط السرخسي، في باب التيمم: أنه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس ... ثم قال رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر: ... ولعل هذا التغليس في رمضان خاصة،وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس وعليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الأكابر" (فيض الباري علىٰ صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۲/ ۱۳۵-۱۳۸،خضر راه بک ڈپو،ديوبند،الهند)

(۴)　عن علي بن الحسين رضي الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" إن من حسن إسلام المرأ تركه مالايعنيه" (جامع الترمذي،أبواب الزهد،باب: ۲/ ۵۸،سعيد)

(۵)　" أو الخيار إلى القوم،فإن اختلفوا،اعتبر أكثرهم" (الدر المختار،كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۸،سعيد)

" وإن اختار بعض القوم لهذا والبعض لهذا،فالعبرة لاجتماع الأكثر" (فتاویٰ قاضي خان،باب افتتاح الصلوٰة،فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لايصح: ۱/ ۵۲. رشيدية)

امام اگر چہ تنخواہ دار ہو، مگر اس کے ساتھ معاملہ ماتحت نوکر اور خادم جیسا نہ کیا جائے، اس کا منصب قابلِ احترام ہے۔ تنخواہ دینے والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خادم ہیں امام مخدوم۔(۱)

امام کو بھی مقتدیوں کی رعایت لازم ہے۔(۲)

احکامِ شرع کی رعایت رکھتے ہوئے مقتدیوں کا لحاظ کیا جائے، متولی کو بھی سب نمازیوں کا لحاظ لازم ہے، ضد سے سب کو باز آنا چاہئے۔(۳) **فقط واللہ الموفق**

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۵/۵۔۳۲۹)

رمضان میں فجر کی نماز ابتدائے وقت میں ادا کرنا:

سوال: رمضان المبارک میں کثرت سے یہ معمول ہو گیا ہے کہ وقتِ سحر ختم ہوتے ہی فوراً اذان کہی جاتی ہے اور دو سنتیں پڑھ کر فوراً نمازِ فجر ادا کرلی جاتی ہے، مغرب کے علاوہ دیگر نمازوں میں نماز اور اذان میں کس قدر وقفہ ہونا چاہئے؟ "**أسفروا بالفجر**" والی حدیث سے رمضان مستثنیٰ ہے؟ معمولِ مذکور غلط ہے یا صحیح؟ غلس میں نماز پڑھنا بہتر ہے یا اسفار میں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے۔ "**أسفروا بالفجر**". (۴)

(۱) وقوله تعالىٰ: "إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً" (سورة البقرة: ۱۲۴)

"فإن الإمام من يؤتم به فى أمور الدين من طريق النبوة، و كذلك سائر الأنبياء أئمة (عليهم السلام) لما ألزم اللّٰه تعالىٰ الناس من اتباعهم والائتمام بهم فى أمور دينهم، فالخلفاء أئمة، لأنهم رتبوا فى المحل الذى يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً، و لهذا المعنى الذى يصلى بالناس يسمى إماماً، لأن من دخل فى صلاته لزمه الاتباع له والائتمام به".

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكر، فالأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام فى أعلىٰ رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون من بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم اللّٰه تعالىٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة فى الصلوٰة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۹۷/۱۔۹۸. قديمى)

(۲) "ينبغى أن يؤذن فى أول الوقت، ويقيم فى وسطه حتى يفرغ المتوضى من وضوئه، والمصلى من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة: ۵۷/۱. رشيدية)

(۳) "وإن اختار بعض القوم لهذا و البعض لهذا، فالعبرة لاجتماع الأكثر". (فتاوىٰ قاضى خان، باب افتتاح الصلوٰة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لايصح: ۵۲/۱. رشيدية)

(۴) "أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر". (جامع الترمذى، باب ماجاء فى الإسفار بالفجر: ۴۰/۱. سعيد) ==

لیکن اس کی وجہ تکثیر جماعت ہے،(۱) رمضان المبارک میں اگر غلس میں جماعت میں حاضرین حاضر ہوں تو اسفار میں تقلیل ہوجائے، لوگ سوجائیں، یا جماعت نماز فوت ہوجائے تو پھر غلس کو اختیار کیا جائے گا۔ جیسا کہ فیض الباری میں بحوالۂ مبسوط نقل کیا ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۹/۵-۳۳۰)

رمضان میں نمازِ فجر غلس میں:

سوال: رمضان شریف کے دنوں میں سحری کھانے کے بعد، اگر احتمال ہو کہ فجر کے وقت آنکھ نہ کھلے گی، تو اوّلِ وقت میں نماز پڑھ لینا کیسا ہے، اور اسی وقت اذان کہہ کر جماعت کرلینا، اس وجہ سے کہ لوگوں کی اکثر و بیشتر نماز چھوٹ جاتی ہے اور بسا اوقات نماز قضا ہوجاتی ہے بہتر ہے، یا ہر حال میں مسنون وقت میں نماز پڑھی جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

رمضان المبارک میں سحری کے بعد، اوّل وقت، فجر کی نماز کے لئے اگر نمازی جمع ہوجائیں، اور روزانہ کے وقت معمول تک تاخیر ہونے سے جماعت چھوٹنے یا قضا ہوجانے کا اندیشہ ہے، تو اوّل وقت جماعت کرلینا بہتر ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۰/۵)

== ’’يستحب تأخير الفجر، و لايؤخرها بحيث يقع الشك فى طلوع الشمس، بل يسفربها بحيث لوظهر فساد صلا ته، يمكنه أن يعيدها فى الوقت بقراء ة مستحبة‘‘، كذا فى التبيين، وهذا فى الأزمنة كلها إلاصبيحة يوم النحر للحاج بالمزدلفة، فإن هناك التغليس أفضل، هكذا فى المحيط‘‘. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثانى فى بيان فضيلة الأوقات: ۵۲/۱-۵۳. رشيدية)

(۱) ’’ ولأن فى الإسفار تكثير الجماعة، وفى التغليس تقليلها، ومايؤدى إلىٰ تكثير الجماعة فهو أفضل‘‘. (المبسوط، باب مواقيت الصلوٰة: ۲۹۵/۱، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۲) ’’ فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً فى التغليس، لقلنا به أيضاً، كما فى مبسوط السرخسى فى باب التيمم: أنه يستحب التغليس فى الفجرو التعجيل فى الظهر إذا اجتمع الناس، قال رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر: ......ولعل هذا التغليس فى رمضان خاصة، وهكذا ينبغى عندنا إذا اجتمع الناس‘‘. (فيض البارى علىٰ صحيح البخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۱۳۵/۲، ۱۳۶)

(۳) ’’عن قتادة عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه حدثه: ’’أنهم تسحروا مع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم قاموا إلى الصلوٰة، قلت: كم بينهما؟ قال: قدرخمسين أوستين يعنى آية‘‘. (صحيح البخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۸۱/۱. قديمى) ==

رمضان المبارک میں صبح کی نماز جلدی پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں:

سوال: ہماری مسجد کے امام عرصہ چھ برس سے رمضان المبارک میں ایک مہینہ تک صبح کی نماز اس وقت پڑھاتے ہیں کہ جب سحری کے آخری گولے چھوٹ جاتے ہیں تو فوراً اذان دلواتے ہیں، اذان کے دس منٹ کے بعد فوراً نماز پڑھانے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اکثر مقتدیوں نے دریافت کیا تو یہ حدیث انہوں نے سنائی کہ (**والفجر حين حرم الطعام والشراب على الصائم**) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھائی جبرئیل نے مجھے صبح کی اس وقت جب کہ حرام ہوا کھانا پینا روزہ دار پر، (رواہ ابوداؤد وغیرہ)(۱) اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، لہذا گزارش ہے کہ یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں، یہ بھی واضح رہے کہ اس نماز میں کم از کم دو سو آدمی جمع ہو جاتے ہیں، تمام مقتدی امام صاحب کے موافق ہیں؟ (المستفتی نمبر: ۱۹۷۹، محمد نذیر، لال کنواں، دہلی۔ ۲۶/شوال ۱۳۵۶ھ-۳/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

جبرئیل کی نماز اوقات کی ابتدا اور انتہا معین کرنے کی نیت سے تھی۔ (۲) پس اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر

== "قال الشعراني في الميزان: "وفي رواية أخرىٰ لأحمد رحمه الله تعالىٰ: "الاعتبار بحال المصلين، فإن شق عليهم التغليس كان الإسفار أفضل"، وإن اجتمعوا كان التغليس أفضل.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في ردالمحتار: " نعم ذكر شراح الهداية و غيرهم في باب التيمم: " أن أداء الصلوٰة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة ". (فتح الملهم، كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها وهو التغليس وبيان قدر القراءة فيها: ۲/۲۱۲، المكتبة الرشيدية، كراچي)

"فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً في التغليس، لقلنا به أيضاً، كما في مبسوط السرخسي في باب التيمم: أنه يستحب التغليس في الفجر و التعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس.

قال رحمه اللّٰه تعالىٰ بعد أسطر: ... ولعل هذا التغليس في رمضان خاصة، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس". (فيض الباري علىٰ صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۲/۱۳۵، ۱۳۶)

(۱) سنن أبي داؤد: باب في المواقيت: ۱/۲۶، ط مكتبة إمدادية، ملتان/المستدرك للحاكم (ح: ۶۹۳) انيس

(۲) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أمني جبرئيل عند البيت مرتين فصلى الظهر في الأولىٰ منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلى المرة الثانية الظهر حين كان ظل كل شيء مثله لوقت العصر بالأمس ثم صلى العصر حين كان ظل كل شيء مثليه ثم صلى المغرب لوقته الأول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين أسفرت الأرض ثم التفت إلي جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء مواقيت الصلوة عن النبي صلى الله عليه وسلم، أبواب الصلوة (ح: ۱۴۹)/سنن أبي داؤد، باب المواقيت (ح: ۳۹۳) انيس)

کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے کہ صائم پر کھانا پینا حرام ہو جائے، یعنی صبح صادق طلوع ہو جائے، حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رمضان شریف میں صبح کی نماز باقی سال کی صبح کی نماز سے کچھ مختلف ہے، یہ نماز اگر صبح صادق ہونے کے بعد ہوتی ہے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے اور رمضان المبارک میں مصلحۃً جلدی پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔(۱) فقط

(کفایت المفتی:۳/۶۶-۶۷)

رمضان المبارک میں صبح کی نماز جلدی پڑھنا جائز ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ چونکہ صبح صادق ۵ بج کر ۴۵ منٹ پر ہو رہی ہے اس لئے نماز فجر چھ بجے کے بعد ہونی چاہیے، عمر کہتا ہے کہ صحابہ نے اندھیرے میں نماز فجر ادا کی ہے، اگر ہم کسی صحابی کی اقتدا کر لیں اور رمضان المبارک میں لوگوں کی سستی کی وجہ سے ذرا پہلے کھڑے ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟

(المستفتی: خادم العلما محمد سلطان زبیری)

الجواب

بعض احادیث سے رمضان المبارک میں فجر کی نماز ہمیشہ کے معمول سے کسی قدر پہلے پڑھنا مفہوم ہوتا ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے کہ رمضان المبارک میں نماز فجر ذرا جلدی پڑھ لی جائے لیکن طلوع صبح صادق سے پہلے نماز جائز نہیں۔ صبح صادق پونے چھ بجے کے بھی کچھ بعد (آجکل یعنی دسمبر کے دوسرے عشرہ میں) ہوتی ہے۔ اس لئے نماز چھ بجے شروع کر دی جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس سے پہلے نہیں ہونی چاہئے۔(۲) فقط (کفایت المفتی:۳/۶۹)

رمضان میں صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنا:

سوال: ہمارے علاقوں میں رمضان کے مہینے میں صبح کی نماز عموماً غلس (تاریکی) میں پڑھی جاتی ہے جس سے جماعت میں کثرت رہتی ہے، کیا فقہ حنفی کی رو سے یہ درست ہے؟

---

(۱) عن قتادة عن أنس ان زيدبن ثابت حدثه أنهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا إلى الصلاة، فقلت: "كم بينهم"؟ قال: قدر خمسين أوستين" يعني آية. (الصحيح للبخاري، باب وقت الفجر: ۱/۸۱، ط: قديمي كتب خانه، كراچى)

ووقت صلوٰة الفجر من أول طلوع الفجر الثاني، وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل إلى قبيل طلوع ذكاء، الخ. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۹، ط سعيد كمپنى)

(۲) عن قتادة عن أنس أن زيد بن ثابت حدثه أنهم تسحروا... الخ. (الصحيح للبخاري، باب وقت الفجر: ۱/۸۱)

قال الشعراني في الميزان: و في رواية لأحمد أن الاعتبار بحال المصلين، فإن شق عليهم التغليس كان الإسفار أفضل وإن اجتمعوا كان التغليس أفضل. (فتح الملهم: كتاب الصلاة: ۲/۲۱۲، ط دار القرآن كراچى)

الجواب

جواز سے کسی کو انکار نہیں، لیکن فقہ حنفی میں اسفار کے استحباب میں رمضان کا استثنا کہیں نہیں لکھا ہے، اس لئے شاید وقتی مصلحت کی رو سے بہتر ہو، لیکن یقینی اعتبار سے اسفار مستحب ہے۔(۱)

لما قال شیخ الإسلام أبوبکربن علی الیمنی: ویستحب الإسفاربالفجر......قیل هو أن یصلی فی وقت لو صلی بقراء ة مسنونة مرة فإذا فرغ ظهرله فساد فی طهارته أمکنه الوضوء و الإعادة قبل طلوع الشمس وهذا کله فی السفروالحضرفی الأزمنة کلها إلایوم النحربالمزدلفة للحاج. (الجوهرة النیرة، کتاب الصلوة:۱/۵۰)(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۴۳)

رمضان کے مہینے میں غلس میں صلوٰۃ فجر ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں صبح کی نماز کو اذان کے پندرہ منٹ بعد ادا کرنا کیسا ہے جب کہ اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اکثر لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حافظ محمد زبیر عثمانی حضرو اٹک......۲۲ رمضان ۱۴۰۲ھ)

الجواب

روایات حدیثیہ اور فقہیہ کی بنا پر نماز فجر میں اسفار افضل ہے،(۳) **إلا لحاج بمزدلفة.** (۴)

---

(۱) فلو اجتمع الناس الیوم أیضاً فی التغلیس، لقلنا به أیضاً، کما فی مبسوط السرخسی فی باب التیمم: أنه یستحب التغلیس فی الفجر و التعجیل فی الظهر إذا اجتمع الناس ... ولعل هذا التغلیس فی رمضان خاصة، وهکذا ینبغی عندنا إذا اجتمع الناس. (فیض الباری علیٰ صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلوٰة، باب وقت الفجر: ۲/۱۳۵-۱۳۶) انیس)

(۲) وفی الهندیة: وقت الفجرمن الصبح الصادق وهو البیاض المنتشرفی الأفق إلیٰ طلوع الشمس ولا عبرة بالکاذب وهو البیاض الذی یبدوطولا ثم یعقبه الظلام فبالکاذب لایدخل وقت الصلاة ولایحرم الاکل علی الصائم هکذا فی الکافی. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۵۱، الباب الأول فی المواقیت)

(۳) عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الإسفار بالفجر (ح: ۱۵٤)/ سنن أبی داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤) انیس)

(۴) قال الحصکفی: و (المستحب) للرجل (الإبتداء) فی الفجر (بإسفار و الختم به) هو المختار بحیث یرتل أربعین آیة ثم یعیده بطهارة لو فسد و قیل یؤخرجداً لأن الفساد موهوم (إلا لحاج بمزدلفة). (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱/۲٦۹)

اور تغلیس جائز ہے، مگر افضل نہیں ہے، کما صرحوا بہ. (۱) جواز اس صورت میں ہے جب کہ اذان طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل دی گئی ہو اور اگر ڈیڑھ یا پونے دو گھنٹہ قبل دی گئی ہو تو اس اذان سے پندرہ منٹ بعد بھی صبح صادق (جو کہ محسوسات سے ہے) کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ جلد دوم ص ۱۵۳۔)

رمضان میں عشا اور صبح صادق کا وقت:

سوال: رمضان المبارک میں عشا کی نماز کا ابتدائی وقت (یعنی اذان کا وقت) کتنے بجے شروع ہوتا ہے؟ اور صبح صادق کا وقت کب تک رہتا ہے؟ اس مسئلہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کئی مساجد میں اوقات نماز کے دو مختلف نقشے آویزاں ہیں ان میں تقریباً اوقات صبح صادق اور وقت عشا میں ۲۵/۲۰ منٹ کا فرق ہے اور نقشے کے نیچے یہ درج ہے کہ اس میں اوقات صبح صادق وعشا کی تصحیح کی گئی ہے اس میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی نام ہے، جبکہ عمل عموماً اس کے خلاف ہے۔ اب ہم کس نقشے کے مطابق اذانوں کا وقت متعین کریں، اور سحری کا وقت کس نقشے کے مطابق ہو؟

مفتی صاحب کا جس نقشہ میں نام ہے اس میں اختتام سحری ۴ بجکر انسٹھ منٹ لکھا ہے دوسرے نقشہ میں وقت سحری چار بجکر بیالیس منٹ لکھا ہے؟

الجواب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو شروع میں اوقات فجر وعشا کے بارے میں کچھ تردد ہو گیا تھا، لیکن آخر

(۱) و فی منهاج السنن: اعلم أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ثبت عنه التغلیس بالفجر کما مر فی الباب السابق والإسفار به کما روی الطحاوی عن أبی طریف وکان شاهداً مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم حصن الطائف فکان یصلی بنا صلاة الفجر حتٰی لو أن إنساناً رمی نبله أبصر مواقع نبله وروی عن جابر یقول کان النبی علیه السلام یؤخر الفجر وروی الشیخان عن أبی برزة الأسلمی عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال کان یتنفل عن صلاة الفجر حین یعرف الرجل جلیسه، قلت وهذا الحدیث یدل علی الإسفار به نهایة وبدایة وروی الشیخان عن ابن مسعود قال: ما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم صلی صلاة إلا لمیقاتها إلا صلاتین صلاة المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذٍ قبل میقاتها، وفی لفظ مسلم قبل میقاتها بغلس، قلت أفاد هذا الحدیث أن المعتاد کان غیر التغلیس وکان علیه السلام یفعل الأفضل وقد یفعل غیر الأفضل توسعة علی الأمة ولم یعلم من هذه الروایات أن أیهما أفضل الإسفار أو التغلیس؟ فان قیل حدیث ابن مسعود یعلم منه أن الإسفار أفضل لکونه معتاداً، قلنا یعارضه حدیث الباب السابق فإنه یدل علی کون التغلیس معتاداً فالظاهر أن تعامله صلی اللّٰہ علیه وسلم مختلف بین الإسفار مرة وبین التغلیس مرة أخریٰ ولکن للحنفیة تشریع قولی عام فی حدیث الباب ولیس للمخالفین تشریع قولی عام لعدم ورود "غلسوا بالفجر". ومن الأصول تقدیم مثل التشریع القولی العام علی الفعل والوقائع الجزئیة علی أن فی الإسفار تکثیر الجماعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ماجاء فی الإسفار بالفجر: ۱۷/۲، ۱۸)

میں ان کا فتویٰ یہی تھا کہ قدیم نقشے درست ہیں، چنانچہ گزشتہ رمضان میں خود انہوں نے جو نقشہ شائع کروایا وہ قدیم نقشوں کے مطابق تھا، اب آپ کو دیکھنا ہو تو دارالعلوم نانک واڑہ سے نقشہ حاصل کرلیجئے۔(۱) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۹/۱۲/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر ۹۴۳/۲۸ ج) (فتاویٰ عثمانی:۳۹۴/۱)

وقت نمازِ صبح اور اس میں قراءت کی مقدار:

سوال (۱): ایک شخص صبح کی نماز صبح صادق سے طلوع آفتاب تک جو وقت ہے اس کا نصف گذرنے پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں کم سے کم چالیس آیات یا اس سے زیادہ پڑھتا ہے۔ایک دوسرا شخص باوضو سنت پڑھ کر بیٹھا رہتا ہے اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، جب یہ سلام پھیرتا ہے وہ دوسری جماعت کرتا ہے۔آیا ان دونوں میں کس کا عمل امام اعظمؒ کے موافق ہے؟

شافعی کی اقتدا میں اوّل وقت میں صبح کی نماز پڑھے یا نہیں:

(۲) اگر کوئی شافعی مذہب اذان ہوتے ہی اوّل وقت جماعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو حنفی کو اس جماعت میں شرکت لازم ہے یا نہیں؟

(۳) جو شخص نفسانی خواہش سے آخر وقت دوسری جماعت کرے آیا وہ آیات ذیل کے تحت میں آتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (الآية)(۲) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (الآية)(۳)

(۴) یہ بات صحیح ہے یا نہیں کہ ہر موسم میں رات کا ساتواں حصہ شروع ہونے پر صبح صادق ہو جاتی ہے؟

الجواب

امام اعظمؒ کے مذہب میں صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے۔حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید اور حکم فرمایا ہے:

"أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر". (۴)

(۱) اب اوقات نماز کا ایک نقشہ خود حضرت والا دامت برکاتہم اور دیگر اکابر دارالعلوم کی زیر نگرانی بھی تیار کیا گیا ہے، جسے مکتبہ نعمانیہ کراچی نے شائع کیا ہے، بوقت ضرورت اس کی طرف مراجعت بھی مناسب ہے۔مرتب

(۲) سورة الأحزاب:۳٦.انیس

(۳) سورة المائدة:٤٧.انیس

(۴) مشكوٰة،باب تعجيل الصلوٰة،ص:٦١.ظفير

والحديث رواه الترمذی، باب ما جاء فی الإسفار بالفجر (ح: ١٥٤)عن رافع بن خديج،وقال:حديث حسن صحيح/سنن أبی داؤد، باب وقت الصبح (ح:٤٢٤) انیس

اس کے موافق آفتاب طلوع ہونے سے آدھ گھنٹہ پیشتر صبح کی جماعت شروع کرنا بھی کافی ہے، جلدی کرنا صبح کی نماز میں اول تو خلاف ہے امام اعظمؒ کے مذہب کے، دوم جبکہ اس کی وجہ سے باہم نمازیوں میں تفرقہ ہوتا ہو کہ دوسرے مسلمان عدم شرکت جماعت اولیٰ و جماعت ثانیہ کرنے کی وجہ سے کراہت کے مرتکب ہوں۔ پس ایسا امر کیوں کیا جاوے جو خلاف مذہب بھی ہو اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو اور جس مسجد کے نمازی حنفی ہوں تو کیا ضروری ہے کہ وہاں شافعی مذہب یا غیر مقلد کو امام بنایا جاوے جو خلاف مذہبِ حنفیہ عمل کرتا ہو۔ جماعت ثانی عندالحنفیہ بالضرور مکروہ ہے، لیکن اگر اہل محلّہ اور نمازی اس مسجد کے حنفی ہیں تو ان کے خلاف شافعی یا غیر مقلد کو جلدی نہ کرنی چاہئے اور یہ آیات جو سائل نے سوال ۳ میں درج کی ہیں کفار و معاندین اسلام کے بارے میں ہیں، مسلمانوں کو ان آیات کا مصداق بتانا اور سمجھنا خود گمراہی ہے۔

ہر موسم میں رات کا ساتواں حصہ مقدار مابین صبح صادق و طلوع آفتاب سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ جاڑوں کی راتوں میں جب کہ رات قریب چودہ گھنٹہ کے ہوتی ہے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ایک گھنٹہ بائیس منٹ کی مقدار ہوتی ہے، اگر ساتواں حصہ شب کا ہمیشہ ہو تو مقدار مذکور دو گھنٹہ ہونی چاہئے حالانکہ تجربہ اہل تجربہ و مشاہدہ عامہ و قواعد حسابیہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں۔

اسی طرح امام اعظمؒ کا یہ مذہب سمجھنا کہ جو مقدار صبح سے طلوع تک ہے، اس کے نصف گذرنے پر جماعت صبح کی کھڑی ہونی چاہئے غلط ہے، یہ ہرگز امام اعظمؒ کا مذہب نہیں ہے اور محققین حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

(والمستحب) للرجل (الإبتداء) فی الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد وقيل يؤخر جدًا لأن الفساد موهوم.

قوله: (قيل يؤخر جدًا) قال فی البحر وهو ظاهر إطلاق الكتاب أی الكنز لكن لا يؤخرها بحيث يقع الشک فی طلوع الشمس. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۶۲-۶۳)

اندھیرے میں فجر کی نماز بہتر ہے یا اسفار میں:

سوال: ایک شخص نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی، ایک مولوی نے کہا کہ نماز چاندنی میں پڑھنا اچھا ہے اور دلیل میں یہ آیت بیان کی "فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ النُّجُوْمِ" (۲) اس آیت سے کیا مراد ہے؟

(۱) دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ: ۱/۳۳۹. بعد مطلب طلوع الشمس من مغربها. ظفیر

(۲) سورة النجم: ۴۹. انیس

الجواب ــــــــــــــــ

حدیث شریف میں آیا ہے:

”أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر“ الحديث. (۱)

یعنی صبح کی نماز روشنی کرکے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے کہ صبح کی نماز چاندنی میں پڑھنا افضل ہے۔

اورآیت ”فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ“ میں بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ صبح کی سنتیں مراد ہیں اورضحاک کہتے ہیں کہ صبح کے فرض مراد ہیں۔ (معالم التنزیل) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۵)

غروب آفتاب سے طلوع تک کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر والا قاعدہ تخمینی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں!

کیا یہ صحیح ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک جتنا وقت ہے اس کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر ہے؟ اس صورت میں موسم گرما میں جب کہ راتیں قصیر ہوتی ہیں، وقت فجر بھی قصیر ہوگا، اور موسم سرما میں جب کہ راتیں طویل ہوتی ہیں، وقت نماز فجر بھی طویل ہوگا؛ حالانکہ موجودہ مروّجہ نقشہ جات جن میں معمول بہ دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور ومصدقہ حضرت تھانویؒ برائے تھانہ بھون وغیرہ شامل ہیں، ان میں موسم گرما میں وقت فجر طویل اور موسم سرما میں وقت فجر قصیر ہے۔

حضرت تھانویؒ کا فتوی امدادالفتاویٰ میں تحریر ہے: ”اورفقہائے کرام نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کا وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں۔ چھ حصے میں سحر کھا سکتے ہیں، یہ قاعدہ حتمی، یقینی وقطعی ہے یا انداز وتخمین و احتیاط پر مبنی ہے“۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۳، بھی ملاحظہ ہو۔)

(۱) سنن الترمذی، عن رافع بن خديج، باب ماجاء في الإسفار بالفجر (ح: ۱۵٤) وقال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح/سنن أبي داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤۲٤) انيس)

(۲) تفسیر کی دوسری کتابوں میں ہے کہ آیت مذکور سے مراد فجر کی سنتیں ہیں اور یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے، اوریہی حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (تفسير عبدالرزاق (ح: ۱۰۵۰): ۲/۱۳٤/ تفسير البغوی ،سورة الطور، ومن الليل فسبحه وادبار النجوم: ٤/۳۹٦/ الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة الطور: ۱۷/۷٥)

أخرج ابن مردويه عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله: ومن الليل فسبحه، قال: الركعتان قبل صلوٰة الصبح. (فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية: ۱/۱٤۱٦)

وعن الضحاک وابن زيد: ﴿وادبار النجوم﴾ يريدبه صلاة الصبح. (تفسير القرطبي، الطور: ۱۷/۸۰. انيس)

نیز یہ کہ! قال فی خزانة الروایات عن جواهر الفتاویٰ إنّ ذلک أی وقت الصبح الصادق سبع اللیل، نیز حاشیہ نمبر ارمفتی سعد اللہ رامپوری بر مالا بدمنہ ص:۲۹۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلماً

یہ قاعدہ بطور احتیاط اور انداز و تخمین پر مبنی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض حضرات نے ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش کی تعیین فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعض علماء نے منتہائے سحر وطلوع آفتاب کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے۔ اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ امر تو بداہۃً غلط ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق مشاہدہ سے بھی کی جاسکتی ہے، اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی۔ لہٰذا ان حضرات کی تحریر سے انکا مقصد یہ ہے کہ ان کے ملک میں جس مقام اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ ہو اسے منتہائے سحر قرار دے دیا جائے تو پورے ملک کی حدود کے اندر ہر مقام اور ہر موسم میں روزہ بلاشبہ صحیح ہو جائے گا، اور غروب سے اتنی ہی دیر بعد نماز عشاء بلاشبہ درست ہوگی، مثلاً: متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں اگر کسی عالم نے اس وقت کی مقدار متعین کی تو انہوں نے متحدہ ہندوستان (بشمول خیبر، مردان، مالاکنڈ، چترال وغیرہ) کی حدود میں سے جس مقام پر اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ تھا، اسے انتہائے سحر قرار دیدیا، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ امداد الفتاویٰ جلد دوم، ص: ۵۷ میں فرماتے ہیں کہ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھاسکتے ہیں۔

پھر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا''۔

غرضیکہ اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر مقام پر اور ہر تاریخ میں اس وقت صبح صادق ہو جاتی ہے، اور فوراً اذان دے کر نماز فجر بھی پڑھ لینا جائز ہے، اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ کسی مقام اور کسی موسم میں بھی غروب کے بعد اتنا وقت گزرنے سے پہلے عشاء کا وقت نہیں ہوتا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''بعض مصنفین نے صبح صادق کے کل وقت کی پوری رات کے وقت سے کوئی خاص نسبت تحریر فرمائی ہے، (۱) اس کی حقیقت بھی وہی ہے جو اوپر گذری''۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۸۳-۱۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۱۰-۴۱۲)

---

(۱) جیسا کہ بعض حضرات نے رات کا ساتواں حصہ بتلایا ہے۔ از ناقل

فجر کی نماز میں اسفار کی حد بندی:

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی　　السلام علیکم

سوال: ہمارے یہاں بعض مسجدوں میں خود امام صاحب محترم اور مصلیان کی رعایت کرتے ہوئے طلوع آفتاب سے بیس بائیس منٹ پہلے فجر کی جماعت کا وقت مقرر کیا جاتا ہے، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ اگر مسنون اور حد جواز والے وقت کی نشاندہی فرمادیں، تو بہتر ہے۔ (مستفتی: محمد عبداللطیف علیانی)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلماً

عمدۃ الفقہ میں ہے:

''فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے، لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج نکلنے کا شک ہوجائے، بلکہ جب اسفار یعنی اجالا ہوجائے اور اتنا وقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور قراءت مستحبہ یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیتیں ترتیل کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کے) دونوں رکعتوں میں پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر شاید کسی وجہ سے یہ نماز درست نہ ہوئی ہو خواہ طہارت میں خلل واقع ہو یا نماز میں تو طہارت کرکے دوبارہ قراءت مستحبہ مذکورہ کے ساتھ سنت کے موافق سورج نکلنے سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہو ایسے وقت نماز پڑھنا افضل ہے اور یہ حکم ہر زمانہ میں ہے لیکن نحر (قربانی) کے روز حج کرنے والوں کیلئے مزدلفہ میں اس کے خلاف ہے اور وہاں اندھیرے میں یعنی نہایت اول وقت فجر کی نماز پڑھنا افضل ہے۔ عورتوں کے لیے ہمیشہ فجر کی نماز اول وقت (اندھیرے) میں مستحب ہے''۔ (عمدۃ الفقہ: ۱۸/۲)

امداد الاحکام میں ہے:

''نماز فجر میں اسفار مستحب ہے، یعنی روشنی پھیلنے سے پہلے شروع نہ کی جاوے۔

وهو المختار كما في رد المحتار، (۱) وهو ظاهر الرواية كما في البحر عن العناية خلافاً للطحاوي فإنه قال إن كان من عزمه تطويل القراءة فالأفضل أن يبدأ بالتغليس ويختم بالإسفار وإن لم يكن من عزمه تطويل القراءة فالإسفار (أي الابتداء في الإسفار) أفضل من التغليس، وجه المختار أن فيه تكثير الجماعة كما قاله شمس الأئمة في المبسوط. (۲)

(۱)　كتاب الصلوٰة بعد مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۳٦٦/۱، دار الفكر بيروت. انيس

(۲)　البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلوٰة، اوقات الصلوٰة: ۲٦۰/۱، دار الكتاب الإسلامي، القاهرة.
وكذا في مبسوط السرخسي، كتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلوٰة: ۱۴۵/۱، دار المعرفة. انيس

اور روشنی پھیلنے کا وقت احقر نے جو تجربہ کیا تو طلوع شمس کے نصف پر ہے، اور طلوعین میں کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ بیس منٹ ہوتا ہے، اور زائد سے زائد ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ، پس اسفار کا وقت بعض ایام میں طلوع شمس سے ۴۰ منٹ پیشتر ہوگا، اور بعض ایام میں تقریباً ۵۰ منٹ، جیسا کہ اسلامی جنتری سہارنپور سے واضح ہے، یہ تو نماز فجر کے وقت مستحب کی ابتدا ہے، اور انتہا کے متعلق شامی میں ہے:

(أی بحیث یرتل أربعین آیة إلیٰ ستین)... والحاصل أن حد الإسفار أن یمکنه إعادة الطهارة ولو من حدث أکبر، کمافی النهر والقهستانی و إعادة الصلوٰة علی الحالة الأولیٰ قبل طلوع الشمس. (۱)

اور اس کا تخمینہ آدھا گھنٹہ کیا گیا ہے۔ پس وقت مستحب کا انتہائی حصہ یہ ہے کہ جب نماز شروع کی جاوے اس وقت کم از کم نصف گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا، کہ وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا وقت معین نہیں ہے جس میں ذرا سی کمی بیشی سے یہ فضیلت فوت ہو جاوے؛ بلکہ بعض ایام میں طلوع آفتاب سے ۴۰ منٹ پہلے شروع کرنا بھی وقت مستحب کی حد میں داخل ہے، اور بعض میں ۵۰ منٹ قبل طلوع بھی، اور علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وقت فجر کا کوئی حصہ مکروہ نہیں، پس اگر کوئی اسفار سے قبل نماز پڑھے یا زیادہ تاخیر کر دے تو اس پر ملامت نہیں"۔

(امداد الاحکام: ۳۱۸/۱-۳۱۹)

<u>نوٹ از احقر:</u> مندرجۂ بالا جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کے فاصلہ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار جو تحریر فرمائی ہے وہ سہارنپور کی جنتری کے اعتبار سے ہے، گویا سہارنپور اور اطراف کا یہ حکم ہے، ہر جگہ یہ فاصلہ اتنا ہی نہیں ہوتا جو جواب میں مذکور ہے؛ بلکہ اس جگہ کے عرض البلد اور طول البلد کے مختلف ہونے سے اس فاصلہ میں بھی فرق ہوتا رہتا ہے، آپ اپنے یہاں کی جنتری دیکھ کر اس کی تعیین کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۶ / محرم الحرام ۱۴۲۵ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۴۱۴/۱ تا ۴۲۱)

نماز فجر سرخی کے وقت پڑھنا:

سوال: نماز فجر اخیر وقت میں جب کہ اچھی طرح روشنی ہونے لگے کہ مشرق کی طرف سرخی نظر آئے، پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) کتاب الصلوٰة بعد مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۳٦٦/۱، دار الفکر بیروت. انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــ

فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے بلا کراہت جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فجر ایسے وقت پڑھنا افضل ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ایک جماعت سنت کے مطابق اور کرائی جاسکے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۰۰)

نماز فجر ابتداء طلوع تک پڑھی جاسکتی ہے:

سوال: فجر کی نماز اگر جماعت سے نہ پڑھی ہو اور ایسے وقت مسجد میں پہنچے کہ سورج نکلنے والا ہے تو گھڑی کے اعتبار سے سورج نکلنے سے کتنی دیر پہلے چھوڑ دی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر نقشہ کسی مستند شخص کا تیار کیا ہوا ہو تو اس میں دیئے ہوئے وقت طلوع سے دو تین منٹ قبل ہی نماز فجر سے فارغ ہوجانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اگر ٹھیک اس وقت تک فارغ ہوا تو بھی نماز صحیح ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۱۳۱)

ابر محیط میں اوقاتِ صلوٰۃ کا اندازہ:

سوال: موسم برسات میں اکثر دیہاتوں میں ایسا واقعہ پیش آیا کرتا ہے کہ کئی کئی دن آفتاب نہیں نکلتا اور نہ کوئی گھڑی گھنٹہ ہوتا ہے جس سے نماز کے وقتوں کی شناخت ہو۔ ایسی حالت میں گاؤں والوں کو ظہر وعصر کا وقت معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ پس شرعاً جب ابر محیط ہو تو کس طرح یہ دونوں نمازیں پڑھی جاویں اور مثلاً کوئی نماز ادا کی گئی اور بعد کو آفتاب نکل آیا جس سے معلوم ہوا کہ نماز جو تحری سے پڑھی گئی تھی بے وقت تھی، اس کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

ایسی حالت میں اندازہ اور تخمینہ کیا جاوے اور اسی کے موافق نماز پڑھی جاوے، اگر خطا ظاہر نہ ہوئی تو وہی نمازیں ہوگئیں اور اگر خطا ظاہر ہوئی تو اعادہ کرلینا چاہئے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۴۱-۴۲)

(۱) (والمستحب للرجل (الابتداء) في الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدر المختار) وفي الشامية تحت قوله بإسفار: .. و الحاصل أن هذا الإسفار أن يمكنه إعادة الطهارة ولو من حدث أكبر كما في النهر والقهستاني وإعادة الصلاة على الحالة الأولى قبل الشمس. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/٣٦٦، دار الفكر بيروت) (النهر الفائق، شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة: ١٦٢/١ / جامع الرموز، كتاب الصلاة: ٦٤. انيس)

(۲) وإذا كان اليوم يوم غيم فالمستحب في الفجر والظهر والمغرب تأخيرها... ==

ایام بارش میں مستحب اوقات نماز:

سوال: نمازِ پنجگانہ فرض کا وقت مستحب ایام بارش میں گھڑی کے حساب سے کتنے بجے ہو جاتا ہے؟

الجواب

اوقات نماز میں شرعاً وسعت بہت ہے،(۱) اس لئے گھنٹہ و گھڑی سے کوئی خاص وقت معین کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ شرعاً کوئی خاص وقت مقرر ہے کہ اسقدر گھنٹہ اور منٹ ہونے پر فلاں نماز پڑھی جاوے۔ شرعاً یہ حکم ہے کہ اس قدر تاخیر نہ ہو کہ وقت مکروہ آجاوے اور وقت مستحب کا خیال رکھا جاوے۔ مثلاً ظہر کی نماز ایک بجے سے تین بجے تک جس وقت اجتماع نمازیان ہو جاوے پڑھ سکتے ہیں، لیکن بہتر تاخیر ہے۔ مثلاً آج کل موسم برسات میں دوڈھائی بجے یا کچھ بعد پڑھ لی جاوے تو بہتر ہے اور عصر کی نماز ۵ بجے سے ۶ بجے تک کے درمیان میں پڑھیں اور صبح کی نماز سوا پانچ بجے یا ساڑھے پانچ بجے تک پڑھیں تو کچھ حرج نہیں ہے، کیونکہ طلوع آفتاب آج کل چھ بجے کے قریب ہے۔ ساڑھے پانچ بجے بھی آدھ گھنٹہ باقی رہتا ہے پڑھ سکتے ہیں اور ضرورت ہو تو اعادہ بھی کر سکتے ہیں۔(۲) الغرض جس قدر صبح کی نماز میں اسفار ہو بہتر ہے۔

قال علیه الصلوٰة والسلام: "أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر". (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۴)

== یعنی بالتأخیر عدم التعجیل فی أول الوقت لاالتأخیر الشدید الذی یشک بسببه فی بقاء الوقت وذلک لأن التعجیل فی الفجر یؤدی إلی تقلیل الجماعة بسبب الظلمة وربماتقع قبل الوقت وکذافی الظهر والمغرب لایؤمن بالتعجیل من وقوعهما قبل الزوال والغروب قال فی المحیط: المراد من تأخیر المغرب قدرمایحصل التیقن بالغروب،الخ. (غنیة المستملی: الشرط الخامس، ص: ۲۳٤،ظفیر)

(۱) یہ حدیث وسعت وقت پر دال ہے۔ عن ابن عباس أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: أمنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الأولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالأمس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الأول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین أسفرت الأرض ثم التفت إلی جبرئیل فقال یامحمد: هذا وقت الأنبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (سنن الترمذی،باب ماجاء مواقیت الصلوة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم،أبواب الصلوة (ح: ۱٤۹)/سنن أبی داؤد، باب المواقیت (ح:۳۹۳)انیس)

(۲) یہ اوقات دیوبند کے ہیں یہاں سے دور دراز مقامات میں کافی فرق ہوتا ہے، اس کا لحاظ بہر حال ضروری ہے۔

(۳) سنن الترمذی،باب ما جاء فی الإسفار بالفجر (ح: ۱٥٤)/ سنن أبی داؤد،باب وقت الصبح (ح:٤۲٤)/مسندالإمام أحمد،حدیث رافع بن خدیج (ح: ۱٦۹٥۰)انیس) ==

کسی کے انتظار میں وقت مستحب ضائع نہ کیا جائے:

سوال: ایک شخص کے مکان کے متصل ایک مسجد ہے، محلّہ میں اور بھی بہت سے مسلمان ہیں مگر وہ شخص کہتا ہے کہ امام مسجد نماز کا جماعت اس وقت تک نہ پڑھاوے جب تک ہم نہ آویں۔ اکثر ہوا ہے کہ اس کے انتظار میں وقت مکروہ میں جماعت ہوئی ہے۔ اب امام اپنے وقت معینہ پر جماعت پڑھا دیا کرتا ہے یعنی ہر نماز کی اذان کے آدھا گھنٹہ پون گھنٹہ بعد اور نمازی قریب قریب بیس تیس آدمی حاضر ہو جاتے ہیں۔ اب وقت کی پابندی امام کو لازم ہے یا اس شخص کا انتظار۔

الجواب ــ

وقت مستحب پر نماز پڑھنی چاہئے، شخص مذکور کا انتظار نہ کیا جاوے، لیکن اگر اندیشۂ فساد ہو تو فقہا نے اس کے انتظار کی اجازت دیدی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵/۲-۳۶)

وقت فجر کا اختتام کب ہوتا ہے:

سوال: چاند کی روشنی ختم ہو جانے کے بعد، سورج نکلنے تک جو وقت تقریباً ۱۰-۱۵ منٹ کا رہ جاتا ہے، کیا وہ وقت بھی فجر کا وقت شمار کر سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

سورج کا کنارہ ظاہر ہونے پر وقتِ فجر ختم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے باقی رہتا ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۳/۵)

== عن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نوروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. (معجم الطبراني الكبير، باب الراء، من اسمه رافع (ح: ٤١٦٧) انيس)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: أصبحوا بصلوٰة الصبح فما أصبحتم بها فهو أعظم للأجر. (شرح معاني الأثار، كتاب الصلوٰة، باب الوقت الذي يصلي فيه الفجر (ح: ٦٣٩) انيس)

(١) رئيس المحلة لا ينتظر مالم يكن شريرًا والوقت متسع. (الدر المختار، باب الأذان، ج: ١، ص: ٣٧٢. ظفير)

(٢) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ... "ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس". (الصحيح لمسلم: ٢٢٣/١، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، قديمي)

"(وقت) صلاة (الفجر)... (من) أول (طلوع الفجر الثاني) وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل (إلىٰ) قبيل (طلوع ذُكاء) بالضم، غير منصرف، اسم الشمس". (الدر المختار: ٣٥٧/١، ٣٥٩، كتاب الصلوٰة، سعيد)

چاند کی روشنی کا ختم ہونا، وقتِ فجر کے ختم ہونے کی علامت نہیں:

سوال: چاند کی روشنی کا ختم ہوجانا، فجر کا وقت ختم ہوجانے کی علامت ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

یہ وقتِ فجر ختم ہونے کی علامت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/۲/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ، جلد پنجم، صفحہ ۳۳۱)

صبح اور عصر کا وقت کیا ہے اور حضرت گنگوہیؒ کا کیا عمل تھا:

سوال: حضرت مولاناؒ کے اوقاتِ نماز یعنی قبل طلوع آفتاب صبح کس وقت اور عصر کس قدر قبل غروب پڑھتے تھے، گھنٹے اور منٹ کے حساب سے تحریر فرمائیے؟

اگر نمازِ صبح بانتظار جماعت نصف گھنٹہ قبل طلوع پڑھی جائے تو افضل ہے یا تنہا اول وقت پڑھ کر پھر شریک جماعت ہو۔

''مشارق الانوار'' میں حدیث ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ دیر میں نماز پڑھا کریں گے، اس وقت تم لوگ اپنی نماز ادا کر کے جماعت میں شریک ہوجانا۔

یہ وہی زمانہ ہے یا نہیں اور حدیث قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

اوقاتِ نماز کے لئے گھنٹہ اور منٹ کی تحدید نہیں ہے، عصر اور صبح کی نماز میں حنفیہ کے نزدیک تاخیر اولیٰ ہے۔ عصر میں اس قدر تاخیر ہو کہ حدّ کراہت میں نہ داخل ہو، یعنی وقت مکروہ نہ آجاوے۔ مثلاً غروب سے ایک گھنٹہ یا پون گھنٹہ قبل عصر پڑھی جاوے تو بہتر ہے۔(۲)

---

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:'' إن للصلوٰة أولاً و آخرًا ... و إن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس. (جامع الترمذی: ۳۹/۱، أبواب الصلوٰة، سعيد)

''و الدليل علیٰ أن آخر الوقت حين تطلع الشمس، قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:''من أدرک رکعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد أدرک''، وفی حديث جرير بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:''إنكم سترون ربكم يوم القيامة كما ترون القمر ليلة البدر، لا تضامّون فی رؤيته، فإن استطعتم أن لا تغلبوا علیٰ صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها، فافعلوا، ثم تلا قوله تعالیٰ:''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ''. (سورة ق: ۳۹) (المبسوط، باب مواقيت الصلوٰة: ۲۸۹/۱، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۲) وتأخير عصر صيفاً وشتاءً توسعة للنوافل مالم يتغير ذكاء بأن لا تحار العين فيها فی الأصح. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۳٤۱/۱)

اور صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے اور حدیث شریف میں بھی ایسا حکم آیا ہے۔ پس صبح کی نماز کو آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ پہلے طلوع آفتاب سے پڑھے تو یہ اچھا ہے اور ثواب کا وقت ہے۔ خصوصاً انتظار جماعت کی وجہ سے اس قدر تاخیر ہو کہ آدھ گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی رہے تو یہ بہت اچھا ہے۔ (۱) اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اور حدیث جو ''مشارق الانوار'' سے تم نے لکھی ہے، (۲) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسفار صبح وتاخیر عصر إلی الوقت المستحب ممنوع ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت لوگ نماز میں اتنی تاخیر کریں کہ وقت مکروہ آجاوے، اس وقت یہ حکم ہے کہ علاحدہ پڑھو۔ آدھ گھنٹہ پہلے نماز پڑھنے میں یہ حکم نہیں ہے، یہ تو عین عمل بالحدیث ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲/۶۴-۶۵)

نماز کے بعد معلوم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا:

سوال: بکر نے فجر کی نماز ادا کی نیت سے ادا کی، حالانکہ اس وقت سورج نکل چکا تھا، لیکن ابر کی وجہ سے بکر کو معلوم نہیں تھا، ایسی حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر مکروہ وقت ختم ہونے سے قبل نماز شروع کی گئی تو صحیح نہیں ہوئی اور اگر اس کے بعد شروع کی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وقتی فجر کی نیت کی تھی تو نماز نہیں ہوئی اور اگر آج کی فجر کی نیت تھی تو صحیح ہوگئی۔ (۳)

قال في التنوير: ولو نوى ظهر الوقت فلو مع بقائه جاز ولو مع عدمه وهو لايعلمه لا. وفي الشرح: فالأولٰى نية ظهر اليوم لجوازه مطلقاً. وفي الحاشية: (قوله وهو لايعلمه) أي لايعلم خروجه ومفهومه أنه لو علمه يصح كماقد مناه عن الشرنبلالية. (ردالمحتار، بحث النية: ۱/۴۹۲) فقط والله تعالٰى أعلم

۱۶/رجب ۱۳۹۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۳۹)

---

(۱) والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بالإسفار والختم به هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد (درمختار) قوله في الفجر أي صلاة الفرض، قوله بإسفار أي في وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة الخ لقوله عليه السلام: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر، رواه الترمذي وحسنه. (ردالمحتار، ج: ۱، ص: ۳۳۹، ظفير)

(۲) عن أبي ذر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وضرب فخذي: كيف أنت إذا بقيت في قوم يؤخرون الصلاة عن وقتها قال: قال: ماتأمر؟ قال: صل الصلاة لوقتها ثم اذهب لحاجتك فإن أقيمت الصلاة وأنت في المسجد فصل. (الصحيح لمسلم، باب كراهية تأخير الصلاة عن وقتها (ح: ۶۴۸) / مشارق الأنوار على صحاح الآثار، خ ص م: ۱/۲۴۲. انيس)

(۳) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح ومن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر. (الصحيح للبخاري، باب من أدرك من الفجر ركعة (ح: ۵۷۹) / سنن الترمذي، باب ماجاء فيمن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس (ح: ۱۸۶) انيس)

توجیہ عجیب احادیث متعلقہ اتمام یا فساد صلوٰۃ فجر بطلوع شمس:

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری) (۱)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: " إذا أدرک أحدکم سجدۃ من صلوٰۃ العصر قبل أن تغرب الشمس فلیتم صلوٰتہ" إلٰی آخر الحدیث. (ص: ۷۹) (۲)

عند الجمہور عصر اور فجر دونوں کا ایک حکم ہے کہ جب نماز شروع کر چکا ہو اور درمیان میں غروب یا طلوع ہو جائے تو نماز پوری کر لے۔ یہ حدیث باب جمہور کی مستدل ہے۔ اور عند الطرفین رحمہما اللہ تعالیٰ عصر اور فجر میں فرق ہے کہ عصر الیوم پڑھتے ہوئے اگر غروب ہو گیا تو تکمیل کر لے اور اگر فجر میں طلوع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے بعد میں قضا کرے امام ابو یوسفؒ سے سرخسی نے روایت نقل کی ہے کہ نماز فجر پڑھتے ہوئے اگر طلوع ہو جائے تو اسی حالت میں امساک کرے حتی کہ وقت مکروہ گزر جائے اس کے بعد اتمام کرے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ! عصر کی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی، ان کے ہاں فجر اور عصر دونوں طلوع وغروب سے فاسد ہو جاتی ہے۔

امام طحاوی اعلم بمذہب ابی حنیفۃ ہیں، مگر اس کے باوجود جہاں جمہور حنفیہ کے خلاف جاتے ہیں، وہاں ان کا قول نہیں لیا جاتا۔

یہ روایت صحیح بخاری کے سوا دوسری کتابوں میں بلکہ خود صحیح بخاری میں بھی باب زیر بحث کے سوا دوسرے مواضع میں اس طرح سے ہے:

"من أدرک رکعۃ قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک".

اسی قسم کے الفاظ فجر کے بارے میں آئے ہیں، احناف نے انہی الفاظ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس حدیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس روایت کے حقیقی معنی تو یہ ہیں کہ جس نے طلوع یا غروب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے پوری نماز پالی، جس کا ظاہر یہ ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے ہی اس کی نماز مکمل ہو گئی آگے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر اس ظاہری مفہوم کا کوئی بھی قائل نہیں، لہذا بالاتفاق یہاں کچھ محذوف ماننا پڑے گا۔

جمہور اس کی تقدیر یوں کرتے ہیں:

"فقد أدرک وقت الصلوٰۃ".

یعنی ایک رکعت پڑھ لی تو اسے نماز کا وقت مل گیا اس لئے نماز پوری کرلے۔

(۱) رسالۃ شرح الصدر فی الفرق بین صلوتی الفجر و العصر

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من أدرک رکعۃ من العصر قبل الغروب (ح: ۵۳۱) انیس

احناف کی طرف سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم وقت الصلوٰۃ مقدر نہیں مانتے بلکہ حکم الصلوٰۃ نکالتے ہیں یعنی صبی بالغ ہو یا حائضہ پاک ہو یا کوئی کافر اسلام لائے ایسے وقت میں کہ ایک رکعت طلوع یا غروب سے پہلے پڑھ سکتا ہے تو اس نے حکم صلوٰۃ یعنی وجوب الصلوٰۃ کو پالیا، اس پر نماز فرض ہو جائے گی، جسے بعد میں قضا کرنا ضروری ہوگا۔

اشکال: اس میں فجر اور عصر کی کیا تخصیص ہے؟ یہ قاعدہ تو ہر نماز کے بارے میں ہے کہ وقت ختم ہونے سے پہلے اتنا وقت پالیا کہ اس میں ایک رکعت ادا کی جا سکتی ہو تو نماز فرض ہو جائے گی۔

جواب: عصر اور صبح کا ذکر تخصیص کے لئے نہیں، بلکہ ان دونوں وقتوں کا اختتام چونکہ مشاہدہ سے بسہولت معلوم ہو جاتا ہے، اس لئے ان کو ذکر کر دیا ورنہ حکم سب نمازوں کے لئے عام ہے۔

ابن الملک شارح مشارق الانوار نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ ہم نہ وقت الصلوٰۃ مقدر مانتے ہیں اور نہ حکم الصلوٰۃ بلکہ ثواب الصلوٰۃ مقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ طلوع یا غروب سے پہلے نماز پڑھ لے مگر اس کی کوشش کے باوجود نماز کے درمیان میں طلوع یا غروب ہو گیا تو اسے ثواب مل جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی ہے۔ کوشش پر ثواب مل جانا، "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ"(۱) سے ثابت ہے۔

نیز حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کوئی وادی یا جنگل قطع نہیں کرتے مگر وہ لوگ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کون لوگ؟ تو آپ نے فرمایا کہ معذورین، اسکی مزید تفصیل اور اس پر روایات ارشاد القاری میں "**انما الأعمال بالنیات**" کے تحت درج ہیں۔

ابن الملک کی یہ توجیہ بڑی لطیف ہے، مگر امام طحاوی اور ابن الملک دونوں کی تقریر صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث پر نہیں چل سکتی، اس لئے کہ اس حدیث میں "**فلیتم صلوته**" کے الفاظ ہیں، جس میں اتمام صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، ابن الملک نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اتمام دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) شروع کرنے کے بعد تکمیل کرنا۔

(۲) ابتدا سے ہی اچھے طریقہ سے ادا کرنا، جیسے کہ "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" (۲) سے شوافع استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، تو ثابت ہوا کہ عمرہ واجب ہے۔ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس

(۱) سورۃالنساء: ۱۰۰۔انیس

(۲) سورۃالبقرۃ: ۱۹۶۔ انیس

آیت سے نفس عمرہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اتمام عمرہ کا حکم ہے یعنی عمرہ شروع کرنے کے بعد اس کا اتمام واجب ہے۔شوافع اسکا جواب یہی دیتے ہیں کہ یہاں اتمام تکمیل بعد الشروع کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ادا بطریق کامل کے معنی میں ہے۔اسی طرح ابن الملک "فليتم صلوٰته" میں بھی اتمام سے ادا بطریق کامل مراد لیتے ہیں یعنی "أداء كما وجب" عصر کی نماز ناقصاً واجب ہوتی ہے، لہذا حالت غروب میں اس کا ادا کرنا صحیح ہے۔اور فجر کی نماز کاملاً واجب ہوتی ہے اس لئے حالت طلوع میں اس کی ادا صحیح نہ ہوگی۔

مگر ابن الملک کی یہ تقریر بھی تشفی بخش نہیں، اس لئے کہ اتمام کے یہ معنی خلاف متبادر ہیں۔اسی لئے "اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ" میں جب شوافع یہی مراد لیتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے تو یہ خلاف انصاف ہے کہ شوافع یہی معنی بتائیں تو ہم قبول نہ کریں اور اس حدیث میں اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے وہی معنی خود بیان کرنے لگیں۔

نیز "فليتم صلوٰته" کے الفاظ میں تو آپ نے کچھ نہ کچھ تاویل کردی مگر تاکے؟

سنن کبریٰ للبیہقی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

من صلى ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس ثم صلى ما بقي بعد غروب الشمس فلم تفته العصر وقال مثل ذلك في الصبح. (۱)

اور دار قطنی کی روایت اس سے بھی زیادہ صریح ہے، فرماتے ہیں:

إذا صلى أحدكم ركعة من صلوٰة الصبح ثم طلعت الشمس فليصل إليها أخرىٰ. (۲)

ان روایات میں تاویلات مذکورہ میں سے کسی کی گنجائش نہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ "فقد أدرك" والی روایت کو مسبوق پر محمول فرمایا کرتے تھے، یعنی جس شخص نے امام کے ساتھ ایک رکعت کو پالیا، اس نے جماعت کا ثواب پالیا، (۳) مگر یہ توجیہ بھی دل کو نہیں لگتی، اس

(۱) یہ حدیث بیہقی کے حوالہ سے شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك، باب وقوت الصلوٰة میں ہے۔السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الدليل على أنها لاتبطل بطلوع الشمس (ح: ۱۷۷٤) میں یہ حدیث ان الفاظ میں ہے: "إذا أدرك أول سجدة من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلاته وإذا أدرك أول سجدة من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس فليتم صلاته. انيس

(۲) سنن الدارقطني، باب قضاء الفوائت بعد وقتها ومن دخل في صلاة (ح: ۱٤۳۲)/السنن الكبرىٰ للبيهقي، جماع أبواب المواقيت، باب الدليل على أنها لاتبطل بطلوع الشمس فيها (ح: ۱۷۰۵) انيس

(۳) إن الحديث في حق الجماعة لافي حق الأوقات فيكون المعنىٰ: من أدرك ركعة مع الإمام فليضف إليها ركعة أخرىٰ ولتكن الركعتان قبل الطلوع والغروب. (العرف الشذي شرح سنن الترمذي، باب ماجاء فيمن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس: ۲۰۳/۱ _انيس)

لئے کہ اگر یہ مطلب لیا جائے تو ''قبل أن تطلع الشمس'' اور ''قبل أن تغرب الشمس'' کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔شاہ صاحب نے اس کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے،مگر صحیح بات یہ ہے کہ جواب بنتا نہیں۔

نیز سنن کبریٰ اور دار قطنی اور صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کا کیا جواب ہوگا۔بیہقی کی روایت کو شاہ صاحب نے معلول ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،مگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب کی پوری تقریر سے اطمینان نہیں ہوتا۔

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے احناف کا مذہب ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ان روایات میں طلوع اور غروب کے وقت میں اتمام صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری احادیث میں ان اوقات میں نماز پڑھنے سے نہی وارد ہوئی ہے، پس تعارض کی وجہ سے احادیث میں تساقط ہوگا اور ہم رجوع الی القیاس کریں گے۔پس قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ عصر کی نماز صحیح ہو جائے اور فجر کی نہ ہو،جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔(۱)

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کو بہت پسند کیا گیا ہے، چنانچہ احناف نے اس تحقیق کے بعد یہ سمجھا کہ ہم اپنا مذہب ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اب بھی ویسے ہی ہے، اس لئے کہ تعارض فی الروایات کے وقت سب سے پہلے تطبیق کی صورت تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو وجہ ترجیح تلاش کی جاتی ہے۔وہ بھی نہ ہو تو تیسرے درجہ پر تساقط کا قاعدہ چلتا ہے۔اس مسئلہ میں جتنی روایات متعارضہ ہیں ان میں صورت تطبیق بھی موجود ہے اور وجہ ترجیح بھی۔ایسی حالت میں روایات کو چھوڑ کر قیاس کی طرف جانا کیسے جائز ہوگا؟

صورت ترجیح تو خود امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ روایات اتمام خبر واحد ہیں اور روایات نہی حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں، لہٰذا وہ راجح ہوں گی۔نیز محرم اور مبیح کے تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ثالثاً یہ کہ اباحت اصلیہ ہے اور نہی شرعی ہوتی ہے، اس لئے جہاں مبیح اور محرم کی تاریخیں معلوم نہ ہو سکیں وہاں مبیح کو مقدم اور محرم کو مؤخر سمجھا جاتا ہے، اور محرم کو مبیح کے لئے ناسخ قرار دیا جاتا ہے۔اس لئے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ فجر کی نماز ہوگی اور نہ عصر کی۔(۲)

ابن قیم اور شوافع تطبیق کی صورت اختیار کرتے ہیں، شوافع یوں فرماتے ہیں کہ احادیث نہی سے احادیث باب

(۱) قلنا:لماوقع التعارض بين هذا الحديث وبين النهي الوارد عن الصلاة في الأوقات الثلاثة رجعنا إلى القياس كما هوحكم التعارض والقياس رجّح هذا الحديث في صلاة العصر وحديث النهي في صلاة الفجر.(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،الأوقات التي يكره فيها الصلاة: ۱/۸۵/البحر الرائق،الأوقات التي يكره فيها الصلاة: ۱/۲۶۴/ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،فصل في الأوقات المكروهة: ۱/۱۸۷/ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۳_انيس)

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب مواقيت الصلاة: ۱/۵۱_۵۳.انيس

مخصوص اور مستثنیٰ ہیں اور ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ کسی چیز کی ابتدانا جائز ہوتی ہے مگر اس کا ابقاء اور مداومت جائز ہوتی ہے۔ جیسے کہ حالت احرام میں ابتداءً خوشبو لگانا اور نکاح کرنا نا جائز ہے، مگر خوشبو لگا کر احرام باندھا تو اس خوشبو کا ابقاء جائز ہے، اسی طرح نکاح کرنے کے بعد احرام باندھا تو وہ بقاء نکاح کے منافی نہیں۔ ایسے ہی کسی نے قسم اٹھائی کہ نکاح نہیں کرے گا تو ابتداء نکاح سے حانث ہوگا اور پہلے سے کئے ہوئے نکاح کے ابقاء سے حانث نہیں ہوگا، اسی طرح ان روایات میں فرماتے ہیں کہ روایات نہی کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز کی ابتداء کرنا جائز نہیں اور احادیث باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر پہلے سے ابتدا کر چکا ہو، تو درمیان میں طلوع یا غروب ہوگیا تو اس نماز کو باقی رکھے اور تمام کرے۔ پس دونوں قسم کی روایات میں کوئی منافاۃ نہیں۔

یہ صورت تطبیق بعض مواقع پر خود احناف نے بھی اختیار کی ہے۔ چنانچہ کتب فقہ، شامیہ وغیرہ میں یہ تحقیق مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے اوقات مکروہہ میں نوافل شروع کر دئے تو ان کا اتمام کرے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ روایات متعارض ہیں اور قرآن کریم میں وارد ہے۔ "لاَ تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ" اس لئے نوافل کو چھوڑنا ابطال عمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، لہذا اتمام ضروری ہے۔ (۱) تعجب ہے کہ نوافل کے اتمام کا حکم دیتے ہیں، مگر فرائض کو توڑ دینے کا حکم دے رہے ہیں۔ غرضیکہ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ صورت تطبیق اختیار کی جائے، اس لئے فجر اور عصر دونوں نمازیں صحیح ہونی چاہئیں، جیسے کہ جمہور کا مسلک ہے۔ دوسرے درجہ پر صورت ترجیح اختیار کرنا چاہئے تھی جو کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے، مگر تعجب ہے کہ احناف کا مشہور مسلک نہ ادھر ملتا ہے، نہ ادھر ملتا ہے۔

البتہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نماز کے بارے میں احناف کے مطابق ہے۔ کنز العمال میں اس کی تصریح ہے۔ (۲)

غرضیکہ یہ مسئلہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے۔ مع ہذا ہمارا فتویٰ اور عمل قول امام رحمہ اللہ کے مطابق ہی رہے گا، اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ، کہ ان سے استدلال وظیفۂ

---

(۱) وقال: حتی لو صلی النفل فی الأوقات المکروھة جاز ویکرہ. (العنایة شرح الھدایة، فصل فی الأوقات التی یکرہ فیھا الصلاة: ۱/۲۳۲. انیس)

(قوله قصدًا) احترز به عما لو صلی تطوعا فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر فإن الأفضل إتمامھا، لأن وقوعه فی التطوع بعد الفجر لا عن قصد. (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۴. انیس)

(۲) عن أبی ھریرة: من صلی الصبح قبل أن تطلع الشمس فلیمض فی صلاته. (کنز العمال، الفصل الأول فی أحکام الصلاة الخارجة (ح: ۱۹۳۵۰)

عن أبی ھریرة: من صلی رکعة من الصبح فلیصل الصبح. (کنز العمال، الفصل الثالث فی مفسدات الصلاة ومحظوراتھا (ح: ۱۹۹۱۹) انیس)

مجتہد ہے۔اس بارے میں عرصۂ دراز تک متحیر رہنے کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ کی عجیب وغریب تقریر بوادر النوادر میں نظر سے گزری، جس سے کامل تشفی ہوگئی۔

فالحمد للّٰه على ذلک. وللّٰه در حكيم الأمة قدس سره. وهاهو ذا:

اعلم أن العلماء اختلفوا فی ما إذا طلعت الشمس فی صلوٰة الفجر أو غربت فی صلوٰة العصر هل تصح الصلوٰة أو تفسد فقال الشافعی ومن وافقه تصح فيهما وقال الطحاوی تفسد فيهما وقال إمامنا أبو حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ تفسد فی الفجر وتصح فی العصر ومبنى هذا الاختلاف اختلافهم فی توجيه الروايات التی وردت فی هذا الباب ولنسرد أولاً تلک الروايات ثم نذكر التوجيهات.

فروى الشيخان من حديث أبی هريرة رضی اللّٰه تعالىٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أدرک من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح ومن أدرک ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر،(۱) وفی لفظ للبخاری إذا أدرک أحدكم سجدة من صلوٰة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلوته وإذا أدرک سجدة من صلوٰة الصبح قبل أن تطلع الشمس فليتم صلوته. (زيلعی، ص: ۱۱۹، ج: ۱، باب المواقيت)(۲)

وروى نحو ذلک فی فتح الباری، ج: ۲، وفی كنز العمال، ج: ٤.

فعمل الشافعی ومن معه بظاهر أحاديث الإتمام وحمل أحاديث النهی علىٰ تأثيم متحرّ هذه الأوقات مع القول بصحة الصلوٰة.

والطحاوی قال بالفساد فيهما حملاً لظاهر أحاديث النهی على الإبطال وأول حديث الإدراک إيجاب الصلوٰة على من أسلم فی آخر الوقت أو بلغ الحلم فيه أو امرأة طهرت من الحيض فيه وأول ما فی أحاديث الإتمام بكونها منسوخة بأحاديث النهی.

وأما نحن معاشر الحنفية فتوجيهنا الذی أدى إليه نظری وإن كان مأخوذاً من كلام من تقدمنا أن يقال إن روايات الإتمام و الإدراک تقتضی صحة الصلوٰة فيهما وأحاديث النهی يحتمل أمرين إما تأثيم المصلی فيهما مع صحة الصلوٰة وإما بطلان الصلوٰة فيهما، كما قال به الطحاوی فإن النهی الشرعی يستعمل فی كلا المعنيين مثال الأول النهی عن الصلوٰة مقعيا أو متخصرًا ومثال الثانی النهی عن الصلوٰة بغير طهور.

---

(۱) الصحيح للبخاری، باب من أدرک من الفجر ركعة (ح: ۵۷۹)/ الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب متی يقوم الإمام للصلوٰة (ح: ۹۵۶-۶۰۸)/ موطا الإمام مالک، باب وقوت الصلوٰة (ح: ۵)/ مسند الإمام الشافعی، الباب الأول فی مواقيت الصلاة (ح: ۱۶۱) انيس

(۲) الصحيح للبخاری كتاب مواقيت الصلوٰة، باب من أدرک ركعة من العصر قبل الغروب (ح: ۵۳۱) انيس

وإن خالجک قول الأصوليين أن النهى عن الأفعال الشرعية يقتضى مشروعية الأصل مع فساد الوصف فهو أكثر ى لا كلى وإلا لانتقض بكثير من المسائل.

وإن رابک أن النهى فى الصلوٰة بغير طهور قد وقع بصيغة النفى،فاقتضى البطلان بخلاف النهى عن الصلوٰة فى الأوقات المكروهة فلم يوجد ما يقتضى البطلان فازحه بورود هذا النهى ايضاً بصيغة النفى فى بعض الروايات،كماروى الشيخان عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قا ل:قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم:لاصلوٰة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس ولا صلوٰة بعد العصر حتى تغيب الشمس.(مشكوٰة،ص:٨٦)(١)

وروى مسلم عن عبد اللّٰه الصنا بحى رحمه اللّٰه تعالٰى فى صلٰوة العصرقال قال رسو ل الله صلى اللّٰه عليه وسلم ولا صلوٰة بعدهاحتى يطلع الشاهد.(مشكوٰة،ص: ٨٧)(٢)

فلمااحتمل النهى الأمرين ينظر أن الاحتياط فى أىّ الأمرين والصلوٰة محل احتياط بليغ فظاهر أن الا حتياط فى الحمل على البطلان لأن القضاء إذاً يكون فرضاً بخلاف احتمال الكراهة فحملنا على البطلان أى بطلان الفريضة لا بطلان نفس الصلوٰة لأن المقتضى للبطلان كان الاحتياط. والاحتياط محفوظ مع القول بصحة النفل فبهذا الوجه قد جاء التعارض بين أحاديث النهى وينبغى أن يكون هذا هو التفسير لقول علماء نا بوقوع التعارض بين قسمى الروايات فلما وقع التعارض رجعنا إلى القياس كما هو حكم التعارض وليس معنى هذا الرجوع ترک الأحاديث والعمل بالقياس بل معناه ترجيح بعض محتملات الأحاديث بالقياس ثم العمل به من حيث أنه حكم الحديث لا من حيث أنه حكم القياس فافهم. فلما رجعنا الى القياس حكم القياس بترجيح توجيه يقتضى البطلان فى أحاديث الفجر وبترجيح توجيه يقتضى الصحة فى أحاديث العصر فعملنا فى الفجر بأحاديث البطلان وإولنا أحاديث الإتمام وعملنا فى العصر بالعكس فحكمنا ببطلان الصلوٰة فى الفجر وبصحتها فى العصر فلم يفت منا عمل بشئى من الأحاديث بالظاهر فى بعضها وبالمؤول فى بعضها .

والآن بقى أمران:

الأول: ماوجه القياس فى الصلاتين؟

الثانى: ماالتأويل فى الأحاديث ؟

---

(١) الصحيح للبخارى،كتاب مواقيت الصلوٰة،باب لاتتحرىٰ الصلوٰة قبل غروب الشمس(ح:٥٦١)انيس

(٢) الصحيح لمسلم،كتاب صلاةالمسافرين وقصرها،باب الأوقات التى نهى عن الصلوٰةفيها (ح: ٨٣٠)/سنن النسائى،كتاب المواقيت،باب تأخير المغرب (ح:٥٢١) انيس

بیان الأول: إن الفجر وقت الشروع قبل طلوع الشمس وجب كاملاً لكمال السبب وهو الوقت وبالطلوع صار الوقت ناقصاً وصارت الصلوٰة ناقصة فلا يتأ دى الكامل بالناقص ففسدت والعصر وقت الشروع قبل المغرب وجب ناقصاً لنقصان الوقت فأداه كما وجب فلم تفسد هذا.

بیان الثانی: إن معنى قوله عليه السلام فقد أدرك ما قاله الطحاوى رحمه الله تعالىٰ ومعنى فليتم أنه لا يبطل التحريم بل يمضى فى الصلوٰة لأنه إن لم يتأد فرضاً فقد صحت نقلاً كما فى الدر المختار، كما هو الحكم فى الحج الفاسد ومعنى فلم يفت صلوته لم يفت وقت صلوته بل كان مدركاً للوقت فيكون حاصل معناه هو معنى فقد أدرك .

تفصيل المقام: إن تأخيره صلى الله عليه وسلم قضاء الصلوٰة إلى ارتفاع الشمس مع قوله عليه السلام: من نسى صلوٰة أونام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها، رواه مسلم، وفى رواية لا كفارة لها إلا ذلك. (ص: ۲٤۱، ج: ۱) الدال على وجوب التعجيل فى القضاء إذا لم يكن عذر قوى وهو المذهب أيضاً كما فى الدر المختار (ص: ۷٥٥، ج: ۱) ونصه: التأخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة إذا قضاها وإثم التأخير باق بحر، آه. وفى الدر أيضاً: ويجوز تأخير الفوائت وإن وجبت على الفور لعذر السعى على العيال وفى الحوائج على الأصح، آه، قال الشامى تحت قوله: ويجوز تاخير الفوائت أى الكثيرة(۱) المسقطة للترتيب، آه. (ص: ٦٨، ج: ۱)

فيه دليل على أن مابين طلوع الشمس وارتفاعها وقت ناقص لايصلح للفرائض ولوفائتةً وإلا لما أخرها فلما ثبت كونه غير صالح للفرض وإذا طلعت الشمس فى أثنائه يقع بعض الفرض فى هذا الوقت فيحكم بفساده .

لايقال كان ههنا عذران:

أحدهما: التحرزعن الكراهة الزمانية المفهومة من قوله صلى الله عليه وسلم فى حديث عمر و بن عنبسة: وإذا طلعت فلا تصل حتى تر فع فإنها تطلع بين قرنى شيطان.

ثانيهما: التحرز عن الكراهة المكانية كما يشعربه قوله صلى الله عليه وسلم فى حديث أبى هريرة رضى الله عنه فإن هذا منزل حضرفيه الشيطان فأين فيه الدلالة على كون التاخير للكراهة الزمانية وإنها مفسدة للفرض.

(۱) قلت وهذا القيد يدل باعتبارمفهوم المخالفة وهومعتبرفى كتب القوم وإن لم يكن معتبرًا عند نا فى الكتاب والسنة على أن الفوائت لو كانت أقل من هذا الحد لا يجوزتأخير أدائها، قاله الشيخ. (منه)

لأنا نقول: حضور الشيطان لايصلح مانعاً إذ قد عرض للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى صلوٰته فلم يخرج منها حتى أتمها وقال لولادعوة أخيناسليمان عليه السلام لأصبح موثقا يلعب به ولدان المدينة والحديث مشهور فى الصحاح، فاستحال أن يكون التأخير لذلک سيما وفى حديث أبى قتادة رضى اللّٰه عنه أنه أخر الصلوٰة إلى أن ارتفعت الشمس ثم صلاها (وفى حديث عمران بن حصين برواية الحسن ثم انتظرحتى استعنت الشمس وفى حديث نافع بن جبير عن أبيه: ثم قعد واهنيهةً كما مر فى المتن) ففيه أن تأخير ه إنما كان ليحل وقت الصلوٰة لالما سواه كذا فى المعتصر من المختصر. (ص: ٤٥، ج: ١)

وقد صرح بذلک ابن عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما كما سيأتى وقال فلم يصل حتى ارتفعت وكان سبب التأخير عنده التحرز عن كراهة الوقت فقط والصحابى أعرف بعلة فعل الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم من غير ه وبالجملة فإن الكراهة المكانية لا تصلح سبباً للتأخير وإنما يستحب التحول لأجلهاإلى مكان آخرإذا وجد مسو غ للتأخير مستقل وليس هوهناک إلا الكراهة الزمانية فحسب فتم ما قلنا أن تاخيره صلى اللّٰه عليه وسلم قضاء الصلوٰة إلى ارتفاع الشمس مع وجوبه على الفور دليل على كون الوقت غيرصالح للفرض.

فإن قيل: سلمنا أن سبب التأخير هو الكراهة الزمانية ولكن فيه احتمالان.

الأول: ماقلتم أى الكراهية الشديدة التى لا تجتمع مع الصحة.

والثانى: الكراهة الخفيفة وهى ليست كذالک كما لايخفى.

قلنا: من ابتلى ببليتين يختار أهونهما وقد اختار النبى صلى اللّٰه عليه وسلم تأخير الصلاة إلى ارتفاع الشمس فثبت أن الكراهة فى قضائها عند طلوع الشمس أشد وأيضاً فالصلوٰة محل الاحتياط وهو فيما قلنا فإنا إذا حكمنا بالفساد يكون قضاء تلک الصلوٰة فرضاً وإذا حكمنا بالكراهة الخفيفة لا يكون القضاء فرضاً فقلنا بالكراهة الشديدة التى لا تجتمع مع الصحة ويؤيدنا منع بعض الصحابة عن قضاء الفجر فى هذا الوقت قبل الارتفاع كما سيأتى.

فإن قيل: ورد النهى بعد صلوٰة الصبح إلى أن تطلع الشمس وبعد صلوٰة العصر حتى تغرب وخص بالتطوع اتفاقا وصح قضاء الفائتات فيهما فليكن النهى فى هذه الأوقات كذلک.

قلنا: النهى فيهما لمعنى فى الصلوٰة بدليل أن من صلى الصبح أو العصر ليس له أن يصلى فيهما التطوع ومن لم يكن صلا هما له أن يصلى فيهما (أى ركعتين تطوعاً قبل صلوٰة الصبح وماشاء من النوافل قبل العصر) والوقت بالنسبة إليهما واحد وفى الأوقات الثلثة النهى لمعنى فى الوقت لقوله تطلع بين قرنى الشيطان ونحو ه فافتر قا، فلا يجوز قياس أحدهما على الآخر و

إذا كـان النهى لمعنىً فى الوقت لا يجوز فيه صلوٰة أصلاً سواء كانت فرضاً اونفلاً او فائتةً لانها تستـدعـى وقتا صالحاً وهذه الاقات لا تصلح لها للعلة التى ذكرها النبى صلى الله عليه وسلم و هـى عـامة لا تـختص بصلوٰة دون صلوٰة إلا أن النفل يصح فيها مع الكراهة لما ثبت فى الأصول أن الـنهـى عـن الأفـعـال الشرعية تستدعى مشروعيتها فى الجملة وإلا لم يكن للنهى معنىً وأما الفرض فلا يصح فيها بصفة الفرضية بل ينقلب نفلاً لأن النهى عن الصلوٰة فى هذه الأوقات إنما تستـدعى المشروعية فى الجملة لا على صفة الكمال ويكفى لها الصحة نفلاً كما لايخفى لأنه مـن أدنـىٰ مـراتب الصحة والضرورى إنما يتقدر بقدر الضرورة وقد صرح فقهاء نا رحمهم الله تـعالىٰ بانقلاب فرض الفجر نفلاً بطلوع الشمس من غير فساده،كما فى الدرالمختار آخر باب الاستخلاف.(ص:٦٣٧،ج:١)

وأورد الـحـافـظ فـى الفتح علينا فقال وفيه،أى فى قوله فإن هذا منزل حضر فيه الشيطان رد علىٰ من زعم أن العلة فيه كون ذٰلک وقت الكراهة بل فى حديث الباب أنهم لم يستيقظوا حتى وجدوا حرالشمس ولمسلم من حديث أبى هريرةرضى الله عنه حتى ضربتهم الشمس وذٰلک لا يكون إلابعد أن يذهب وقت الكراهة،آه.(ص:٣٨٠،ج:١)

قـلنا: لا دليل فيه على الارتفاع قبل الاستيقاظ إذ يحتمل أن تكون طلعت بحرارتها كما هو موجود بالحجاز فى حرها إلى الأن كذا فى المعتصرمن المختصر،ص:٤٥.

ولا بـد مـن هذا التأويل فقد روى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ما يدل على استيقاظه قبـل الارتـفـاع،أخـرج الـنسـائى بسند حسن وسكت عنه،قال:أدلج رسو ل الله صلى الله عليه وسـلـم ثـم عـرس فـلـم يستيقظ حتى طلعت الشمس أوببعضها فلم يصل حتى ارتفعت الشمس فصلى،الحديث.(ص:١٠٢،ج:١) فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

سنہ۱۳۸۲ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۱۴۷۔۱۵۶)

سورج طلوع ہونے میں کتنی دیرلگتی ہےاوروقتِ اشراق کیا ہے:

سوال: جب سورج نکلنا شروع ہوتا ہے،تو کتنے منٹ میں پورا نکل آتا ہے؟

اوراشراق کاوقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

سورج جب نکلنا شروع ہوتا ہےتو دومنٹ چوبیس سکنڈ میں پورا نکل آتا ہے، پھر جب اس کی طرف نظر نہ کی جا سکے

اور بالکل سفید ہوجائے، تب اشراق کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ عامۃً بیس منٹ کے بعد بالکل سفید ہوجاتا ہے۔ (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۴/۵)

صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے:

سوال: صبح صادق کے وقت میں علماء کرام کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، ہیئت کے قاعدے سے تو صبح صادق کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ مقرر ہے۔ موسم گرما ہو خواہ موسم سرما، دن رات لمبے ہوں یا چھوٹے۔ علامہ ابن حزم اور مولوی احمد رضا خان بریلوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق کا وقت موسم گرما میں زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے اور موسم سرما میں صبح صادق کا وقت کم سے کم ہوتا ہے اور مولانا اشرف علی التھانویؒ وغیرہ نے فقہاء کرام کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے رات کا ساتواں حصہ صبح صادق کا وقت مقرر کیا ہے۔ تو ان حسابات فقہاء کرام سے جو ساتواں حصہ رات صبح صادق کا وقت مقرر کیا ہے موسم سرما میں صبح صادق کا وقت زیادہ سے زیادہ، موسم گرما میں کم سے کم صبح صادق کا وقت ہوگا اور یہ قول علامہ ابن حزم اور بریلوی کے برخلاف ہے اب یہاں ان علماء کرام کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

علامہ ابن حزم ظاہری کتاب المحلی جلد: ۳، صفحہ: ۱۹۱، میں فرماتے ہیں:

”وقت صلٰوة الصبح مساوٍ لوقت صلٰوة المغرب أبدًا فی کل زمان ومکان لأن الذی من طلوع الفجر الثانی إلٰی طلوع الشمس کالذی من آخر غروب الشمس إلٰی غروب الشفق ـــ الذی هو الحمرة أبداً ـــ فی کل وقت ومکان، یتسع فی الصیف ویضیق فی الشتاء لکبر القوس وصغره، ووقت هاتین الصلاتین أبداً، هو أقل من وقت الظهر. (مسألة فی بیان الشفق والفجر وتعریفهما. انیس)

مولوی احمد رضا خان بریلوی کتاب **العطایا النبویة فی فتاویٰ الرضویة**، جلد: ۴، ص: ۴۲۶، میں فرماتے ہیں:

”تاریخ ۲۲ ر جون کو بریلی میں صبح صادق کا وقت زیادہ سے زیادہ صیفی ایک گھنٹہ انتالیس منٹ اور آخری دسمبر میں وقت صبح صادق کم سے کم شتوی ایک گھنٹہ بائیس منٹ ہوتا ہے۔

(۱) ”(وکره) تحریماً... (مع شروق). (قوله: مع شروق): ومادامت العین لاتحار فیها فهی فی حکم الشروق، کما تقدم فی الغروب أن الأصح کما فی البحر:

أقول: ینبغی تصحیح ما نقلوه عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح، فهی فی حکم الطلوع، لأن أصحاب المتون مشوا علیه فی صلاة العید حیث جعلوا أول وقتها من الارتفاع، ولذا جزم به هنا فی الفیض ونور الإیضاح“. (رد المحتار، کتاب الصلٰوة: ۳۷۱/۱، سعید)

اور مولانا اشرف علی تھانویؒ؛ امداد الفتاویٰ جلد اول ص:۱۷۴، میں فرماتے ہیں:

(سوال) ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت سحری کھانا درست ہے۔

(الجواب) ہیئت کے قاعدے سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں، اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض مواسم میں اس سے زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا۔ (منہ رحمہ اللہ) اور بعض فقہا نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے، اس کو سات پر تقسیم کردیں، چھ حصہ میں سحری کھا سکتے ہیں۔

اور مولوی محمد عثمان نے تفسیر تنویر الایمان میں جو سندھی زبان میں ہے، پارہ:۲، ص:۴۰، میں لکھا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ!

درمختار میں ایک حساب صبح صادق کے وقت کے بابت لکھا ہے، جو میرے تجربہ میں ہمیشہ برابر نکلتا ہے کہ جتنے گھنٹہ رات ہو، اس کا ساتواں حصہ صبح صادق ہوگا۔ انتہیٰ مختصراً۔

الجواب

سوال میں بحوالہ قاعدہ ہیئت ہر موسم اور ہر جگہ میں صبح کا وقت جو ڈیڑھ گھنٹہ بتلایا گیا ہے، یہ **علی الاطلاق** صحیح نہیں ہے، بلکہ صرف متوسط ایام میں صحیح ہے، دن اور رات کے بڑھنے اور گھٹنے سے اس میں فرق آنا حسب قواعد ہیئت ضروری ہے، کمی اواخر فروری میں دس منٹ تک اور زیادتی ماہ جون میں سات منٹ تک ہوگی، جس کسی نے ڈیڑھ گھنٹہ کہا ہے وہ محض تقریبی ہے، تحقیقی نہیں۔ کتب ہیئت شرح چغمینی وغیرہ سے اس کی تحقیق ہوسکتی ہے اور از روئے قواعد حسب صبح صادق کے وقت صحیح اور محقق وہی ہے، جس کو سوال میں بحوالہ محلی ابن حزم اور فتاویٰ رضویہ نقل کیا گیا ہے کہ وقت فجر گرما میں زیادہ سے زیادہ اور سرما میں کم سے کم ہوتا ہے۔

سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بھی اپنے آخری رسالہ میں جو اس موضوع پر لکھا گیا ہے، اس کی تصریح فرمادی ہے اور وہ رسالہ "**الساعات للطاعات**" ہے۔ اس میں حضرت موصوف کی تحریر یہ ہے:

صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و ستمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ بیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون و شروع جولائی ایک گھنٹہ سینتیس منٹ (۱) تک ہوتا ہے۔

امداد الفتاویٰ جلد اول ص:۱۷۴، میں جو حضرت ممدوح نے مطلقاً رات کا ساتواں حصہ وقت فجر قرار دیا ہے۔ یہ

(۱) فتاویٰ رضویہ میں جو ایک گھنٹہ انتالیس منٹ بتلائے ہیں۔ یہ دو منٹ کا تفاوت غالباً بریلی اور تھانہ بھون کے عرض بلد کے اختلاف پر مبنی ہے۔ منہ

تحقیقی قول نہیں۔ بلکہ عوام کی سہولت کے لئے تقریبی قول ہے۔ جیسے بعض اہل ہیئت تقریبی طور پر ڈیڑھ گھنٹہ کہہ دیتے ہیں اور غالبًا اسی بنا پر اس تقریبی قول میں غلطی کا احتمال ہے۔

''**الساعات للطاعات**'' میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے لئے ایک دوسرا تقریبی قول اختیار فرمایا ہے۔ وہ حضرت کے الفاظ میں اس طرح ہے:

اگر کسی کو طلوع صبح صادق وغروب شفق ابیض نقشہ سے یاد نہ رہے وہ ہر موسم میں طلوع شمس سے پونے دو گھنٹہ قبل سحری چھوڑ دے اور غروب شفق سے پونے دو گھنٹہ بعد عشا کی اذان ونماز پڑھے، کبھی غلطی نہ ہوگی۔

اس عبارت کے الفاظ سے خود بھی یہ امر واضح ہوگیا کہ اس قسم کے تعینات حسابی اور تحقیقی نہیں بلکہ تقریبی اور انتظامی ہیں۔ الحاصل قواعد ہیئت اور قول محلی وفتاویٰ رضویہ وفتاویٰ امدادیہ میں کوئی تعارض واختلاف نہیں، سب اقوال متوافق ومتناسب ہیں۔

(تنبیہ) سوال میں جو عبارت محلی کی نقل کی گئی ہے وقت فجر کے بارے میں، ان کی یہ تحقیق تو صحیح ہے کہ ہر موسم اور ہر جگہ میں وقت صبح وقت مغرب کے مساوی ہوتا ہے، لیکن یہ مساوات اسی وقت درست ہوسکتی ہے، جب کہ وقت مغرب میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرکے منتہاء وقت مغرب کے شفق ابیض کے غروب کو قرار دیں، شفق احمر کے غروب تک کا وقت صبح کے وقت کے مساوی کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے محلی میں اس مقام پر شفق کی تفسیر حمرۃ سے کرنا بلاشبہ غلطی ہے، خواہ یہ غلطی خود مصنف سے ہوئی ہو یا ناقل سے۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ)

(امداد المفتین: ۲/۲۶۶-۲۶۸)

حد اسفار سے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ارشاد گرامی:

حد اسفار خوب صبح کا روشن ہوجانا ہے(۲) کہ بعد طلوع صبح کے تقریباً ایک گھڑی میں ہوجاتا ہے، باقی سب غلو

(۱) ''الذی ہو الحمرۃ أبداً'' کے بین القوسین ہونے کی وجہ سے زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ غلطی ناقل سے ہوئی ہوگی، واللہ اعلم۔ انیس

(۲) (والمستحب) للرجل (الابتداء) فی الفجر (بإسفار) أی فی وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة. (الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلوٰة، بعد مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، دار الفكر، بيروت. انيس)

وقال الحلوانی: يبدأ بالإسفار ويختم به وهو الظاهر، وقيل حد الإسفار أن يصلی فی النصف الثانی وقيل هو أن يصلی فی وقت لو صلی بقراءة مسنونة مرتلة فإذا فرغ لو ظهر فساد فی طهارته أمكنه الوضوء والإعادة قبل طلوع الشمس وهذا كله فی السفر والحضر فی الأزمنة كلها إلا يوم النحر بالمزدلفة للحاج. (الجوهرة النيرة علی مختصر القدوری، باب الأذان: ۱/۴۳، كذا فی البحر الرائق، شرح كنز الدقائق، وقت صلاة العشاء: ۱/۲۶۰، وكذا فی درر الحكام شرح غرر الحكام، وقت التراويح: ۱/۵۲. انيس)

ہے، فقط عصر کو قبل تغیر آفتاب مستحب لکھا ہے۔(۱) مگر عمل در آمد صحابہ یہ ہے کہ اول وقت پڑھے۔(۲) پس نصف وقت تک پڑھ لیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۸)

صبح صادق سے طلوع آفتاب تک گھڑی سے وقت کا تعین:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کتنا وقفہ بنتا ہے جبکہ اکابر علماء دیوبند ڈیڑھ گھنٹہ بتلاتے ہیں لیکن مفتی رشید احمد صاحب کراچی اس سے اٹھارہ منٹ کم بتلاتے ہیں جو نقشہ انہوں نے ہمارے سرگودھا کے لئے دیا ہے اس کے متعلق حکم کی وضاحت فرماویں۔؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: قاری عبدالحمید چنات آئل ملزمت آباد سرگودھا.....۵/جولائی ۱۹۸۶ء)

الجواب

اصولی طور سے، مفتی رشید احمد صاحب کا اندازہ درست ہے، البتہ ہمارے بلاد میں مشاہدہ کی بنا پر سوا گھنٹہ وقت بنتا ہے۔(۴) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۵۴/۲)

(۱) و يستحب ... تاخير العصر مالم تتغير الشمس فى الصيف و الشتاء.(الهداية،فصل فى الأوقات المستحبة)
(و) يستحب (تأخير العصر) مطلقاً،توسعة للنوافل (مالم تتغير الشمس) بذهاب ضوئها فلا يتحير فيها البصروهو الصحيح.هداية.(اللباب فى شرح الكتاب،باب الأذان: ۵۸/۱.انيس)

(۲) عن عائشة:ماصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاةً لوقتها الآخرمرتين حتى قبضه الله تعالىٰ.(سنن الترمذى،باب ماجاء فى الوقت الأول من الفضل (ح: ۱۷۴)وقال هذاحديث حسن غريب،وليس إسناده بمتصل،قال الشافعى والوقت الأول من الصلاة أفضل ومما يدل على فضل أول الوقت على آخره اختيار النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكروعمرفلم يكونوا يختارون إلاماهوأفضل ولم يكونوا يدعون الفضل وكانوا يصلون فى أول الوقت/كذا فى مسند الإمام أحمد،مسند عائشة الصديقة(ح: ۲۴۶۱۴)/المستدرك للحاكم،باب فى مواقيت الصلاة(ح: ۶۸۲)وقال الحاكم: هذاحديث صحيح على شرط الشيخين.انيس)

(۳) پس جمہور فقہا و محدثین کے پاس نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے، ان کے اول اوقات میں، اور تعجیل کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت سے نماز کی تیاری شروع کردے اور تیاری کے بعد نصف اول میں نماز ادا کردے۔

(۴) وفى منهاج السنن: قلتُ وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد،والمشاهد فى ديارنا قدر ساعة وربع ساعة.(منهاج السنن شرح جامع السنن،باب مواقيت الصلاة: ۱۰/۲)

وقال العلامة ابن عابدين: ووجه ما قلناه أن الشارع لم يعتمدالحساب بل ألغاه بالكلية بقوله نحن أمة أمية لانكتب ولانحسب الشهر هكذاوهكذا وقال ابن دقيق العيد الحساب لايجوز الاعتماد عليه فى الصلاة، انتهىٰ.(رد المحتار،مطلب ماقاله السبكى من الاعتماد على قول الحساب مردود،كتاب الصوم: ۳۸۷/۲،دارالفكر بيروت.انيس)

زوال آفتاب کا مطلب اور اس کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں!

بروز جمعہ زوال ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ اور ہمارے یہاں جمعہ بھی ہوتا ہے اور زوال کتنی دیر رہتی ہے یعنی زوال کے وقت کتنی دیر انتظار کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

زوال نام ہے آفتاب ڈھلنے کا، یعنی جب آفتاب خط نصف النہار سے ذرا پچھم کو چلنا شروع ہوتا ہے، تو زوال شروع ہوجاتا ہے، (۱) اور اس وقت سے نماز جمعہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور زوال ایک آنی چیز ہے مگر فوراً محسوس نہیں ہوتا ہے اور زوال سے ذرا پہلے ٹھیک نصف النہار ہے جس کو ظہیرة بھی کہتے ہیں نماز پڑھنی مکروہ ہے، اس لیے علمانے یہ لکھا ہے کہ زوال سے آدھ گھنٹہ یا ۲۰؍منٹ پہلے سے زوال تک نماز پڑھنا روک دے، اور اسی کو زوال کہنے لگے الغرض جمعہ کے دن بھی زوال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۷/۵/۲۰ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۲۵)

زوال سے کتنی دیر پہلے نماز موقوف کرنا چاہئے:

سوال: ہمارے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں مسجد میں بورڈ پر لکھا ہوا رہتا ہے کہ نصف النہار سے زوال تک یعنی زوال سے قبل چالیس منٹ تک کوئی نماز نہیں پڑھ سکتے، چالیس منٹ والی بات کہاں تک صحیح ہے؟ اسی طرح جمعہ کے دن بھی نصف النہار سے زوال تک کوئی نماز نہیں پڑھ سکتے، آپ اس کی وضاحت فرماویں کہ کتنے منٹ تک نماز پڑھنا درست نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ

قلم یا لکڑی کھڑی کر کے زوال کا وقت دیکھا جا سکتا ہے، (۲) زوال کے وقت سے آٹھ دس منٹ پہلے سے نماز

---

(۱) فمادام الظل ينقص من الخط فهو قبل الزوال وإذا وقف لايزداد ولاينقص فهو ساعة الزوال وإذا أخذ الظل في الزيادة فقد علم أن الشمس قد زالت. (المبسوط للسرخسي، باب مواقيت الصلاة: ١٤٢/١. انيس)

(۲) ومعرفة الزوال أن يغرز خشبة مستوية ويجعل عند منتهى ظلها علامة فمادام الظل ينقص عن العلامة فالشمس لم يزل ومتى وقف فهو وقت الاستواء وقيام الظهيرة فحينئذ يجعل على رأس الظل خطاعلامة لذلک فما يكون من ذلک الخط إلى أصل العود فهو المسمیٰ فیء الزوال وإذا لم يجد مايغرزه يعتبر بقامته وقامة كل إنسان سبعة أقدام أوستة أقدام ونصف قدمه والأول قول العامة. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، مدخل: ١٧٥/١. انيس)

موقوف کردے اور آٹھ دس منٹ بعد تک موقوف رکھے، بادلوں کے زمانہ میں زوال کا وقت معلوم کرنا دشوار ہے، اس لئے تقویم کے حساب سے دس بارہ منٹ پہلے سے نماز پڑھنے سے رک جائے اور دس بارہ منٹ بعد تک رکا رہے، اس میں احتیاط ہے اور یہ جو قول ہے کہ نصف نہار شرعی سے زوال تک نماز نہ پڑھی جائے، یہ مزید احتیاط پر مبنی ہے۔

شامی میں ہے:

وفی شرح النقاية للبرجندی: قد وقع فی عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلٰى أن تزول الشمس ولا يخفٰى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل و فی هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه فلعل المراد أنه لا تجوز الصلٰوة بحيث يقع جزء منها فی هذا الزمان. أو المراد بالنهار هو النهار الشرعی وهو من أول طلوع الصبح إلٰى غروب الشمس وعلٰى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به، اهـ. (ردالمحتار: ۱/ ۳۴۴، ۳۴۵)

والثانی (عند استوائها) فی بطن السماء (إلٰى أن تزول) أی تميل إلٰى جهة المغرب. (مراقی الفلاح) **(قوله والثانی عند استوائها) وعلامته أن يمتنع الظل عن القصر ولا يأخذ فی الطول وإذا صادف أنه شرع فی ذلک الوقت بفرض قضاء أو قبله وقارن هذا الجزء اللطيف شيئًا من الصلٰوة قبل القعود قدر التشهد فسدت.** (طحطاوی علٰى مراقی الفلاح، ص: ۱۰۷) **فقط والله أعلم بالصواب**

۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۲۸۴، ۲۸۵)

انتہاءِ زوال اور ابتداءِ ظہر میں فاصلہ کی مقدار:

سوال (۱) انتہاءِ زوال اور ابتدائے ظہر میں کتنا فصل ہوتا ہے؟

(۲) زوال کی مدت کتنے منٹ ہوتی ہے؟

الجواب

(۱/ ۲) زوال ایک آنی چیز ہے، جو ایک منٹ سے بھی بہت کم وقت میں پورا ہوجاتا ہے اور اس کے فوراً بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ (۱)

---

(۱) ظہر کا وقت:

آفتاب جیسے ہی بیچ آسمان سے پچھم جانب ڈھلے ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور ہر چیز کا سایہ جب اس کے اصلی سایہ کے علاوہ دو مثل (دوگنا) ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ (درمختار بر شامی: ۱/ ۲۴۰)

موسم بدلنے کے اعتبار سے آفتاب ڈھلنے کا وقت بدلتا ہے، اس لئے آفتاب ڈھلنے کا کوئی متعین وقت سال بھر کے لئے نہیں ہوتا۔

آفتاب ڈھلنے اور ہر چیز کا اصلی اور دو مثل (دوگنا) سایہ جاننے کا طریقہ۔ ==

لہٰذا استواءِ شمس کے فوراً بعد نماز ظہر کا وقت آجاتا ہے، دونوں میں کوئی معتد بہ فاصلہ نہیں ہے، البتہ زوال کے اطمینان کیلئے پانچ منٹ کا احتیاطاً انتظار کرلینا چاہئے۔

وقد وقع فی عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلٰى أن تزول الشمس ولايخفٰى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلافصل. (ردالمحتار: ۱/۲۴۸)(۱) **والله سبحانه تعالٰى أعلم**

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۸/۲/۷ ۱۳۹ھ (فتویٰ: ۲۶۰/۲۸-الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۸۸-۳۸۹)

== (الف) برابر زمین پر ایک سیدھی لکڑی گاڑیں، اس لکڑی کا سایہ جب تک گھٹے گا آفتاب بلند ہوتا رہے گا اور جب سایہ گھٹنا بند ہو جائے آفتاب آسمان کے بیچ میں آجائے گا، یہی استواءِ شمس کا مکروہ وقت ہے اور اس وقت زمین کے اوپر جو سایہ ہوگا وہی زمین سے اوپر کی لکڑی کا سایہ اصلی ہوگا، اور جس جگہ سایہ رُکا اس جگہ نشان لگا دیں، اس کے بعد سایہ جیسے بڑھے آفتاب ڈھل گیا اور ظہر کا وقت شروع ہوگیا، اور یہ بڑھنے والا سایہ بڑھ کر جب زمین سے اوپر کی لکڑی کا دوگنا ہوجائے تو سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہوگیا اور ظہر کا وقت ختم ہوگیا۔

مثلاً ایک لکڑی زمین میں گاڑی اور دو فٹ زمین سے اوپر رہی اور سایہ رُکنے کے وقت اس کا سایہ ۳/انچ ہوگیا تو ۳/انچ سایہ اس کا اصلی ہوا اس کے بعد اس سایہ کے علاوہ اس کا سایہ بڑھ کر چار فٹ ہوگیا تو سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل سایہ ہوگا اور ظہر کا وقت ختم ہوگیا۔

(ب) گھڑی سے یہ جاننا بالکل آسان ہوگیا ہے، وہ اس طرح کہ طلوع آفتاب سے غروب تک کے وقت کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کو طلوع آفتاب کے وقت میں جوڑ دیں، حاصل جمع استوا کا مکروہ وقت ہے، اس کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، مثلاً یکم اکتوبر کو دربھنگہ میں ۵/بجکر ۳۹/منٹ پر آفتاب طلوع ہوا اور ۵/بجکر ۳۳ منٹ پر غروب ہو تو طلوع وغروب کے درمیان کا وقت ۱۱/گھنٹے ۵۴ منٹ ہوا اس کا نصف (آدھا) ۵/گھنٹے ۵۷ منٹ ہوا، اس کو طلوع کے وقت میں جوڑنے سے حاصل جمع ۱۱/گھنٹے ۳۶/منٹ ہوا، یہی ۱۱/بجکر ۳۶ منٹ دربھنگہ میں اس دن استواء (دوپہر) کا مکروہ وقت ہے، احتیاط کے طور پر اس سے پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک کوئی نماز نہ پڑھے، اس کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

یہ حکم ہر دن اور جگہ کے لئے ہے، جمعہ کا دن ہو یا مکہ مکرمہ سب کے لئے یہی ضابطہ شرعی ہے۔ (شامی: ۱/۲۴۹)

احتیاط یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل (ایک گنا) سایہ بڑھ جانے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لے اور دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھے۔ (عالمگیری: ۱/۵۱) جو شخص ایک مثل سے پہلے نماز ظہر نہ پڑھ سکے لیکن دو مثل سے پہلے پڑھے تو بھی ظہر کی نماز ہوگئی قضا نہ ہوئی، بلا عذر جان بوجھ کر ایک مثل کے بعد ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۱/۳۳۳، وفتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۵۰) خزاں اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ تاخیر اتنی ہو کہ سایہ ایک مثل ہونے سے پہلے نماز اداء ہوجائے، تنہا پڑھے یا جماعت سے سخت گرمی ہو یا نہ ہو سب کا یہی مسئلہ ہے۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۴۵) جمعہ کی نماز ہمیشہ جلدی پڑھنا مستحب ہے (شامی: ۱/۳۴۱ وفتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۳۵) جاڑے اور بہار کے موسم میں جمعہ وظہر دونوں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ (عالمگیری و درمختار وغیرہ) بادل کے دنوں میں ظہر اتنی تاخیر سے پڑھے کہ وقت ہونے کا یقین ہوجائے۔ (شامی: ۱/۲۴۷) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۱۷۱-۱۷۳-انیس)

(۱) (ردالمحتار: ۱/۳۷۱ (طبع سعید)

وفی فتح الملهم، ج: ۵، ص: ۳۱۵ (مكتبه دار العلوم، كراچی): عن عقبة بن عامر الجهنی يقول: ثلٰث ساعات كان رسول الله صلی الله عليه وسلم ينهانا أن نصلی فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (رواه مسلم) ==

ظہر کے وقت کا دارومدار زوال پر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ موسم گرما اور موسم سرما کے آغاز وقت ظہر میں فرق ہے یا نہیں؟ میں نے سنا ہے کہ زوال یعنی وقت نماز ظہر ساڑھے بارہ بجے سے شروع ہوتا ہے تو اگر ایک مسافر یا مقیم گرما اور سرما میں پونے ایک بجے نماز ظہر ادا کرے تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالحمید......۲۳/۴/۱۹۷۴ء)

الجواب

دارومدار زوال پر ہے، پونے ایک بجے ہر موسم میں زوال ہوجاتا ہے۔(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۶۹/۲-۱۷۰)

ساڑھے بارہ بجے ظہر پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا آج کل ساڑھے بارہ بجے ظہر پڑھی جاسکتی ہے کیوں کہ ہم کو چھٹی دو بج کر پچیس منٹ پر ملتی ہے اور اس وقت جماعت نہیں ملتی؟ بینوتو جروا۔ (رانا محمد عارف، لاہور ہائی کورٹ، لاہور)

الجواب

ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور آج کل راولپنڈی میں زوال بارہ بج کر ۱۴ منٹ پر ہوتا ہے اور آئندہ گھٹ جائے گا، حاصل یہ ہے کہ آپ ہر موسم میں ساڑھے بارہ بجے نماز پڑھ سکتے ہیں۔لیکن ایک خیال ضرور رہے کہ اذان وقت کے اندر دیں، یعنی زوال کے بعد اذان ہو، پہلے نہ ہو۔(۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ: ۱۸۴/۲)

== وفی فتح الملهم:(قوله وحين يقوم قائم الظهيرة الخ):هی شدة الحرفی نصف النهار،قال السندی قال النوویؒ: الظهيرة حال استواء الشمس ومعناه حين لايبقى للقائم فى الظهيرة ظل فى المشرق ولافى المغرب وفى المجمع هو من قامت به دابته ووقفت يعنى أن الشمس إذا بلغت وسط السماء أبطأت حركته إلىٰ أن يزول فيحسب أنها قد وقفت وهى سائرة لكن يظهر أثر ظهوره قبل الزوال وبعده انتهىٰ

(۱) عن أبى بردة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم...ويصلى الظهر إذازالت الشمس.(الصحيح للبخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة،باب وقت الظهر عندالزوال (ح:٥١٦)انيس)

(۲) ہندوپاک میں پونے ایک بجے تک زوال ہوہی جاتا ہے۔انیس

قال العلامة الحصكفى :ووقت الظهر من زواله أى ميل ذكاء عن كبد السماء الى بلوغ الظل مثليه،قال ابن عابدين :من زواله الأولىٰ من زوالها عن كبد السماء أى وسطها بحسب ما يظهرلنا.(الدرالمختار مع رد المحتار،قبيل مطلب لوردت الشمس بعد غروبها: ٣٥٩/١)

حنبلی مسلک میں زوال سے پہلے جمعہ کا وقت اور اس کی بنا پر حنفی مقتدی کیلئے حکم:

سوال: کویت میں نماز کے اوقات کا ایک کتابچہ جس کا نام "نتیجة تقويم الهجرى" ہے، یہ کتابچہ حکومت کی طرف سے مفت مہیا کیا جاتا ہے، اوقات کے روزانہ تغیر کے ساتھ ساتھ نماز کے اوقات بھی بدلے جاتے ہیں، دوسال قبل جمعہ کی پہلی اذان ابتداء ظہر پر کہی جاتی تھی اور دو رکعت ادا کرنے کے بعد امام ممبر پر تشریف لاتا اور خطبہ کی آذان کہی جاتی، اس مختصر وقفہ میں ہم پاکستانی چار رکعت نماز ادا کر لیتے، لیکن دوسال سے حکم جاری ہے، جس کی بنا پر جمعہ کی پہلی اذان ظہر سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی ہے اور ابتداء ظہر پر خطبہ کی اذان کہی جاتی ہے، کبھی خطیب دومنٹ پہلے ہی ممبر پر تشریف لے آتے ہیں اور آذان بھی اسی وقت ہو جاتی ہے، ان حالات میں چار رکعت قبل جمعہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

وہ لوگ حنبلی مسلک کے ہوں گے، ان کے مسلک میں جمعہ کا وقت زوال سے پہلے ہو جاتا ہے۔(۱) بہر حال اس صورت میں حنفی حضرات کو چاہئے کہ وہ خطیب صاحب سے اپنی مشکل بیان کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ زوال کے بعد چار رکعت کا وقت دیا کریں، امید ہے کہ وہ اسے قبول کر لیں گے اور اگر بالفرض وہ قبول نہ کریں تو سنتیں جماعت کے بعد ادا کر لی جائیں۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۱۸/۲/۱۳۹۷ھ (فتوی ۲۶۰/۲۸۔الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۸۹)

---

(۱) (ويشترط لصحة الجمعة أربعة شروط،الأول الوقت،وأوله،أول وقت صلاة العيد) هذا هو المذهب،وعليه أكثر الأصحاب،ونص عليه،قال في الفروع:اختاره الأكثر،قال الزركشي:اختاره عامة الأصحاب،قلت:منهم القاضي وأصحابه...الخ.(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي: ۲/۳۷۵،كتاب الصلوٰة،باب صلاةالجمعة،وكذا في المبدع في شرح المقنع،الشرط الأول الوقت: ۲/۱۵۰.انيس)

مسألة:قال:(وإن صلوا الجمعة قبل الزوال في الساعة السادسة أجزأتهم)وفي بعض النسخ في الساعة الخامسة والصحيح في الساعة السادسة وظاهر كلام الخرقي أنه لايجوزصلاتهافيماقبل السادسة وروى عن ابن مسعودو جابروسعيدومعاويةأنهم صلوهاقبل الزوال وقال القاضي وأصحابه يجوزفعلهافي وقت صلاة العيد.(المغني لابن قدامة،مسألة صلوا الجمعة قبل الزوال في الساعة السادسة: ۲/۲٦٤.انيس)

(۲) (قوله:حكم الأربع قبل الجمعة،الخ)أقول:قال شيخنامحمد السراجي الحانوتي وأماكونها لاتقضى أولا، فعلى ماقالوه في المتون وغيرهامن أن سنة الظهر تقضى،يقتضي أن تقضى سنة الجمعة إذ لا فرق لكن في روضة العلماء في باب فضل من سمع الأذان وإذاجاء الرجل إلى الجمعة في وقت الإمامةهل يصلي أربع ركعات التي يصليها قبل الجمعة أم لا،قال:لايصلي،بل يسكت،ثم يدخل مع الإمام في صلاته وسقطت عنه هذه الأربع لماروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:إذاخرج الإمام فلاصلاة إلاالمكتوبة،الخ. ==

زوال سے پہلے خطبۂ جمعہ:

سوال (۱) خطبۂ جمعہ اگر اتفاقاً زوال سے پہلے ہوجائے تو اداء شرط جمعہ کے لئے کافی ہے یا نہیں کہ اعادہ کی ضرورت ہوگی اگر ایسا کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نماز جمعہ کی اذان اول اگر دائماً اصرار کے ساتھ زوال سے قبل دی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور مساجد میں قبل الزوال ہی اذان اول کا وقت ہمیشہ کے لئے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اذان اول قبل الزوال اگر اتفاقاً یا دائماً دے دی جاوے اور اس کا اعادہ نہ کیا جاوے (لیکن اذان ثانی عندالمنبر وقت کے اندر دی جاوے) تو کیا ترک سنت مؤکدہ کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

(۴) جمعہ کی دونوں اذانوں کا مرتبہ شریعت میں کیا ہے، دونوں سنت مؤکدہ ہیں یا اول مؤکدہ اور ثانی غیر مؤکدہ یا علی العکس جواب باصواب بحوالہ کتب تحریر فرما کر اجر دارین حاصل فرمائیں؟

الجواب

(۱) وقت ظہر خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے اور خطبہ جمعہ جواز جمعہ کے لئے۔ اس لئے اگر خطبہ وقت ظہر یعنی زوال سے پہلے پہلے ختم ہوگیا تو نماز جمعہ ادا نہیں ہوگی۔ **کما صرح به فی الدر المختار و حواشیه ردالمحتار من کون الخطبة فی الوقت شرطاً.** (۱)

(۲، ۳، ۴) عامہ متون و شروح اور فتاویٰ میں دونوں اذان کو سنن کے ذیل میں ذکر کیا ہے، مگر اس کی تصریح کہیں اس وقت نہیں ملی کہ دونوں اذانیں ایک درجہ کی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔ بہر حال جس درجہ کی سنت ہو، اس پر اتفاق ہے کہ وہ زوال کے بعد ہونا چاہئے۔ زوال سے پہلے جو اذان کہی جاوے، وہ اذان نہیں۔

== ذکره فی فتاواه التی وقعت له والله أعلم. خیرالدین الرملی، أقول: وفی هذا الاستدلال نظر فإنه إنما یدل علی أنها لاتصلی بعدخروجه لاعلی أنها تسقط بالکلیة حتی أنها لا تقضی بعد فراغه من المکتوبة وإلالزم أن لاتقضی سنة الظهر أیضا إذا جاء ووجد الإمام شارعاً فی الظهر مع أنه وردالنهی عندالإقامة کمافی حدیث الصحیحین وغیرها: إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلاالمکتوبة، نعم قد یقال إن الأصل عدم قضائها إذا فاتت عن محلها وأماسنة الظهر فإنما قالوا بقضائها لحدیث عائشة أنه صلی الله علیه وسلم کان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده فتکون سنة الظهر خارجة عن القیاس للحدیث المذکور فلاتقاس علیها سنة الجمعة، فتأمل. (البحر الرائق، قضاء السنة التی قبل الظهر فی وقته: ۲/ ۸۱. انیس)

حکم الأربع قبل الجمعة کالتی قبل الظهر ولامانع عن التی قبل العشاء من قضائها بعده. (فتاویٰ العتابی علی هامش مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح: ۱/ ۱۷٦. انیس)

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوٰة: ۱/ ٤۰۱. انیس

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجب ترک البیع بالأذان الأول الواقع بعد الزوال.(۱)

اورالبحرالرائق میں اسی بحث میں مذکور ہے:

ومعلوم أنه بعدالزوال إذ الأذان قبله لیس بأذان وهذا هوالقول الصحیح فی المذهب،آه.(۲)

اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہوگیا۔ واللہ اعلم (اضافہ) (امدادالمفتین:۲/۲۶۸)

نماز جمعہ کا گھنٹوں سے وقت:

سوال: جمعہ کی نماز کا وقت امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک کے بجے مستحب ہے گھنٹوں سے فرمایئے؟

الجواب

گرمی میں تاخیر کرنا اور جاڑے میں جلدی کرنا ظہر وجمعہ میں برابر ہے،(۳) گھنٹوں کا حساب کوئی ضروری نہیں،جیسا مناسب حال ہوکرے،اس میں کوئی توقیت نہیں ہوسکتی۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۵۷)

نماز جمعہ کا وقت ظہر کی طرح ہے:

سوال: نماز جمعہ کا صحیح وقت از روئے حدیث وقرآن کیا ہے اور مذہب حنفیہ میں کس وقت نماز جمعہ جائز ہے؟

---

(۱) مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح ونجاۃالأرواح،باب صلاۃ الجمعۃ،الخطبۃوسننها:۱/۱۹۷.انیس

(۲) (البحرالرائق، ص:۱۵۶،ج:۱) کتاب الصلوٰۃ ، باب صلاۃ الجمعۃ، السعی و ترک البیع بالأذان الأول للجمعۃ:۲/۱۶۸،دارالکتاب الإسلامی .انیس)

(۳) عن أبی ذر قال کنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فأراد المؤذن أن یؤذن للظهر فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ابرد، ثم أرادأن یؤذن فقال له أبرد،حتی رأینا فیء التلول فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:إن شدۃ الحر من فیح جهنم فإذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ.(الصحیح للبخاری ، باب الابراد بالظهر فی السفر (ح:۵۳۹)/سنن أبی داؤد،باب وقت صلاۃ الظهر (ح:۴۰۱)انیس)

سمعت أنس بن مالک یقول:کان النبی صلی الله علیه وسلم إذا اشتد البرد، بکربالصلوۃ وإذا اشتد الحر أبرد بالصلوۃ،یعنی الجمعۃ.(الصحیح للبخاری، باب إذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ،کتاب الجمعۃ (ح:۹۰۶)انیس)

(۴) (ولاعبرۃ بقول الموقتین) ... ووجه ما قلناه أن الشارع لم یعتمد الحساب بل ألغاه بالکلیۃ بقوله نحن أمۃ أمیۃ لانکتب ولانحسب،الشهر هکذا وهکذا ، وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیه فی الصلاۃ، انتهیٰ.(ردالمحتار،کتاب الصوم،مطلب ماقاله السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردود: ۲/۳۸۷، دارالفکربیروت.انیس)

کیونکہ یہاں کے مفتی صاحبان کہتے ہیں کہ دوپہر کے وقت بعد زوال سایہ کو دس قدم و آٹھ قدم وساڑھے چھ قدم ناپو۔حدیث وقرآن میں اس کی کچھ اصلیت ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۲۴۷۵،عبدالقدوس صاحب،اسلام آباد،کشمیر۔۱۸/صفر ۱۳۵۸ھ-۹/اپریل ۱۹۳۹ء)

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز زوال کے بعد متصل پڑھتے تھے،یعنی زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے،(۱) سردی کے موسم میں زوال کے بعد متصل نماز پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے اور گرمی کے موسم میں زوال کے بعد ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر کرنے کا مضائقہ نہیں،(۲) مگر پونے چار بجے جمعہ کی نماز پڑھنا کسی طرح ثابت نہیں۔(۳) فقط

(کفایت المفتی:۳/۶۷)

جمعہ کے دن زوال ہے یا نہیں اور ۱۲/بجے جمعہ کی اذان دینا درست ہے یا نہیں:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں پونے بارہ بجے یا بارہ بجے جمعہ کی اذان دی جاتی ہے اور ساڑھے بارہ نہیں ہو پاتا کہ خطبہ شروع ہوجاتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہے،کیا یہ صحیح ہے؟ جمعہ کی اذان اور نماز کے اوقات کیا ہونے چاہئے؟

---

(۱) عن أم فروة قالت:سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم أى الأعمال أفضل؟قال:الصلوة فى أول وقتها. (سنن أبى داؤد،باب المحافظة على الصلوات (ح:٤٢٦)/سنن الترمذى،باب ما جاء فى الوقت الاول من الفضل (ح:١٧٠)انيس)

عن أنس بن مالك يقول:كنا نصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة إذا مالت الشمس. (المصنف لابن أبى شيبة،من كان يقول وقتها زوال الشمس وقت الظهر(ح:٥١٣٦)/سنن أبى داؤد،باب فى وقت الجمعة (ح:١٠٨٤)/مسند أبى يعلى الموصلى،سعيد بن سنان عن أنس بن مالك (ح:٤٣٢٩)انيس)

(٢) سمعت أنس بن مالك يقول كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا اشتد البرد بكر بالصلوة وإذا اشتد الحر أبرد بالصلوة،يعنى الجمعة.(الصحيح للبخارى،باب إذا اشتد الحر يوم الجمعة ،كتاب الجمعة (ح:٩٠٦)انيس)

(٣) (وجمعة كظهر أصلاً و استحبابًا)فى الزمانين،لأنها خلفه.(الدر المختار)

وفى الشامية:(قوله أصلا):أى من جهة أصل وقت الجواز ...(قوله:واستحباباً فى الزمانين)أى فى الشتاء والصيف،ح، لكن جزم فى الأشباه من الأحكام أنه لايسن لها الإبراد وفى جامع الفتاوىٰ لقارىء الهداية:قيل إنه مشروع؛لأنها تؤدى فى وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتاخيرها مفض إلىٰ حرج ولا كذلك للظهر وموافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط.(الدر المختار مع رد المحتار،مطلب فى طلوع الشمس من مغربها: ١/٣٦٧،دار الفكر بيروت.انيس)

(ولايسن الإبراد بها.)أقول:هذا مخالف لما فى شرح الكنز للمصنف أن الجمعة كالظهر تقديما وتاخيراً فى بيان الأوقات.(غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر لابن نجيم،القول فى أحكام يوم الجمعة: ٤/٦٩.انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک زوال جمعہ کے روز بھی اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح دوسرے دنوں میں ہوتا ہے۔ زوال کے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے۔(۱) اگر خطبہ بھی زوال کے پہلے شروع کردیا جائے تو پھر نماز جمعہ بھی نہیں ہوگی۔ بعض موسم میں زوال بارہ بجے کے بعد ہوتا ہے اور بعض موسم میں بارہ بجے سے پہلے بھی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر موسم میں بارہ بجے کے پہلے اذان دینا صحیح نہیں ہے، اذان وقت پر ہونی چاہئے۔ اگر اذان سوا بارہ میں اور خطبہ ساڑھے بارہ بجے شروع کیا جائے تو درست ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲۳/۲/۳/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۵/۲)

جمعہ کی نماز اول وقت میں:

سوال: تقریباً چالیس برس سے ہماری مسجد میں اذان جمعہ کا وقت ایک بجے اور خطبہ پونے دو بجے ہے، یہ مسجد شہر کے وسط میں ہے، حنفیہ مذہب کی مرکزی جامع مسجد تصور ہوتی ہے، کیونکہ پرانی جامع مسجد اہل حدیث حضرات کے انتظام میں ہے، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہو، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پونے دو بجے ہو، دو فریق بن گئے ہیں، وقت کی تبدیلی ہمیشہ سے امام صاحب کے ذمہ تھی، اب وہ کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کا افضل وقت کیا ہے؟ تاخیر مناسب ہے یا عجلت بہتر ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

جمعہ کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، نمازیوں کی سہولت کے لئے اگر کچھ تاخیر ہو جائے، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۵۲/۵)

(۱) وإنما اعتبر الأذان الأول لحصول الإعلام به ومعلوم أنه بعد الزوال إذ الأذان قبله ليس بأذان وهذا هو القول الصحيح في المذهب. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجمعة، السعي وترك البيع بالأذان الأول للجمعة: ١٦٨/٢، دار الكتاب الإسلامي. انيس)

(۲) "ففي هذه الأوقات الثلاثة يكره كل تطوع في جميع الأزمان، يوم الجمعة وغيره وفي جميع الأماكن بمكة وغيرها وسواء كان تطوعاً مبتدأ لا سبب له أو تطوعاً له سبب كركعتي الطواف وركعتي تحية المسجد ونحوهما"... وما روى من النهي إلا بمكة شاذ لا يقبل في معارضة المشهور وكذا رواية استثناء يوم الجمعه غريبة فلا يجوز تخصيص المشهور بها". (بدائع الصنائع، باب ما يكره من التطوع: ٧٤٢/٢، ٧٤٣)

(۳) "عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ... ==

جمعہ کا وقت-خطبہ طویل نہیں مختصر ہو:

سوال: نماز جمعہ وخطبہ کا کیا وقت ہے، کتنی دیر میں شروع ہو کر ختم ہونا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جس وقت سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور جس وقت ختم ہوتا ہے، وہی وقت جمعہ کا ہے۔(۱) اسی درمیان میں نماز وخطبہ دونوں ختم ہونا چاہئے، خطبہ میں وقت کم لینا چاہئے اور نماز میں زیادہ، یہی مسنون طریقہ ہے۔(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۴/۷/۱۳۵۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۳۶)

جمعہ کا اول وقت اور جمعہ بستی میں ایک جگہ ہونا، بہتر ہے:

سوال: ایک قصبہ میں سابق [میں] تین جگہ جمعہ ہوتا تھا، مصلحت سمجھ کر قدیم جامع مسجد کا جمعہ چھوڑ کر ایک مسجد میں مقرر کیا تھا، اب صاحبان اس طرف کے قریب ایک بجے کے یا پیشتر جمعہ پڑھ لیتے ہیں، اس صورت میں اکثر نمازی محروم رہ جاتے ہیں، اگر مسجد قدیم میں اہل محلّہ جمعہ ادا کریں تو جائز ہے، یا نہیں؟ جواب ارقام فرماویں اور جمعہ کا وقت کب تک ہے؟ بینوا توجروا۔

== كـان يـصـلـي الـجمعة حين تميل الشمس".(صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس: ۱/۱۲۳، قديمى (ح: ۹۰٤)

"(وجـمـعـة كـظهـر أصلاً واسـتـحـبـابـاً) فـى الـزمـانين؛ لأنها خلفه". (الدر المختار) وقال ابن عابدين: "(قوله واستحـبـابـاً فـى الـزمـانـيـن) أى الشتاء والصيف، لكن جزم فى الأشباه من فن الأحكام أنه لايسن لها الإبراد ......وقال الـجـمهـور: لـيـس بـمـشـروع؛ لأنهـا تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفض إلى الحرج ولاكذلك الظهر، وموافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳٦٧، سعيد)

(۱) (و) الثالث: (وقت الظهر فتبطل) الجمعة (بخروجه). (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۳/۱۸)

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمر ؓ قال: كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب خطبتين يقعد بينهما. (الصحيح للبخارى، بـاب الـقعدة بين الخطبتين يوم الجمعة (ح: ۹۲۸)/الـصـحـيـح لمسلم، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة و ما فيهما من الجلسة، كتاب الجمعة (ح: ۸٦۱/۱۹۹٤) انيس)

عن ابن عمر قال كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب قائماثم يقعد ثم يقوم كما يفعلون الآن. (الصحيح للبخارى، باب الخطبة قائما (ح: ۹۲۰)/سنن أبى داؤد، باب الخطبة قائما (ح: ۱۰۹٤)

عـن جـابر بن سمرة أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يخطب قائما ثم يجلس ثم يقوم فيخطب قائما مـن حدثک أنه كان يخطب جالسا فقد كذب، واللّٰه صليت معه أكثر من ألفى صلاة. (سنن أبى داؤد، باب الخطبة قائما (ح: ۱۰۹۳)/الصحيح لمسلم، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة و ما فيهما من الجلسة (ح: ۸٦۲/۱۹۹٦) انيس)

(ويسن خطبتان) خفيفتان وتكره زيادتهما على قدرسورة من طوال المفصل. (الدر المختار، باب الجمعة: ۳/۲۰)

الجواب

جمعہ کا وقت عصر تک رہتا ہے، ظہر کا وقت اور جمعہ کا ایک ہی ہے، (۱) پس اس عذر سے کہ وہ ایک بجے جمعہ سے فارغ ہوجاتے ہیں، دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا اچھا نہیں۔ جمعہ ایک جگہ ہونا اولیٰ ہے، (۲) اور جمعہ کا اول وقت ہونا مستحب ہے، (۳) پس اس عذر سے تفرقہ مناسب نہیں۔ مع ہٰذا! اگر دوسری جگہ کر لیویں گے تو جمعہ ادا ہوجائے گا، گو تفرقہ غیر مناسب ہے۔ (۴) **کذا فی کتب الفقة و اللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۶۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۴)

زوال کا صحیح وقت گھنٹوں سے:

سوال: زوال کی کیا علامت ہے؟ چار نفل جو پڑھتے ہیں قبل زوال چاہیے یا بعد زوال، زوال کی علامت گھنٹوں پر زیب قلم فرمانا چاہیے؟

الجواب

زوال دن ڈھلنے کو کہتے ہیں، جب سایہ شرق کی طرف میل کرے، یہی علامت ہے۔ (۵) فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۷)

(۱) (ووقتها وقت الظهر) لحديث أنس: كنا نصلي الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مالت الشمس، ولأنها خلف عن الظهر فتكون في وقتها. (الاختيار لتعليل المختار، باب صلاة الجمعة: ۸۲/۱. انیس)

(فتبطل بخروجه) أي تبطل صلاة الجمعة بخروج وقت الظهر. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، باب صلاة الجمعة: ۲۱۹/۱. انیس)

(۲) الجمعة مبنية على معنى الاجتماع لما ذكر أن الجمعة مشتقة من الجماعة. (العناية شرح الهداية، باب صلاة الجمعة: ۶۰/۲. انیس)

(۳) وفي جامع الفتاوىٰ لقارىء الهداية: قيل إنه مشروع؛ لأنها تؤدى في وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلىٰ حرج ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۳۶۷/۱، دارالفكر بيروت. انیس)

(۴) والجماعة شرط بالإجماع فلا يتأدى بالمتخلف، قال محمد: لا بأس في المصر في موضعين وثلاثة ولا يجوز أكثر من ذلك؛ لأن المصر إذا بعدت أطرافه شق على أهله المشيء من طرف إلى طرف فيجوز دفعا للحرج وأنه يندفع بالثلاث فلا حرج بعدها. (الاختيار لتعليل المختار، باب صلاة الجمعة: ۸۳/۱. انیس)

(۵) معرفة الزوال أن يغرز خشبة مستوية ويجعل عند منتهى ظلها علامة فما دام الظل ينقص عن العلامة فالشمس لم يزل ومتى وقف فهو وقت الاستواء وقيام الظهيرة فحينئذ يجعل على رأس الظل خطا علامة لذلك فما يكون من ذلك الخط إلى أصل العود فهو المسمىٰ فيء الزوال وإذا لم يجد ما يغرزه يعتبر بقامته وقامة كل إنسان سبعة أقدام أو ستة أقدام ونصف قدمه والأول قول العامة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، مدخل: ۱۷۵/۱. انیس)

مقیاس الظل:

سوال: دائرۂ ہندیہ میں مقیاس کا ظل سر سے ناپنا چاہئے یا جڑ سے اور سایہ اصلی صحیح کس صورت میں ہوگا؟

الجواب

مقیاس کا ظل جو بوقت زوال شمس ہو وہ سایہ اصلی کہلاتا ہے، اس کو خواہ سر سے جڑ کی طرف ناپا جاوے، یا جڑ سے سر کی طرف کو، ہر دو صورت میں مآل واحد معلوم ہوتا ہے۔ باقی دائرۂ ہندیہ اور فئ الزوال اور مثل و مثلین کی تشریح جو کچھ شرح وقایہ میں مذکور ہے، وہ سہل ہے اور اقرب الی الصواب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۲/۲)

مسئلہ فئی الزوال:

سوال: بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ مسئلہ فئی الزوال کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ مدینہ شریف میں فئی الزوال نہیں تھا۔

الجواب

مثل یا مثلین علاوہ فئی الزوال کے لینا متفق علیہ مسئلہ ہے اور تحقیق اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ من شاء فليراجع إليها. (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۷/۲)

---

(۱) دیکھئے! شرح الوقاية كتاب الصلوٰة، ج: ۱، ص: ۱۴۴-۱۴۵، ظفير

لابد هٰهنا من معرفة وقت الزوال وفيء الزوال وطريقه أن تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعاً وبعضها منخفضاً، إما بصب الماء أو ببعض موازين المقنين ترسم عليها دائرة وتسمىٰ الدائرة الهندية وينصب في مركزها مقياس قائم بأن يكون بُعد رأسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساوياً ولتكن قائمته بمقدار ربع قطر الدائرة فرأس ظله في أول النهار خارج الدائرة لكن الظل ينقص إلى أن يدخل في الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة ولاشك أن الظل ينقص إلى حدٍّ ما ثم يزيد إلى أن ينتهي إلى محيط الدائرة ثم يخرج منها وذلك بعد نصف النهار فتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التي هي ما بين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطا مستقيماً من منتصف القوس إلى مركز الدائرة مخرجا إلى الطرف الاٰخر من المحيط فهذا الخط هو خط نصف النهار فإذا كان ظل المقياس على هذا الخط فهو نصف النهار والظل الذي في هذا الوقت هو فيء الزوال فإذا زال الظل من هذا الخط فهو وقت الزوال فذلك أول وقت الظهر واٰخره إذا صار ظل المقياس مثلي المقياس سوى فيء الزوال مثلاً إذا كان فيء الزوال مقدار ربع المقياس فاٰخر وقت الظهر أن يصير ظله مثلي المقياس وربعه هذا في رواية عن أبي حنيفة وفي رواية أخرىٰ عنه وهو قول أبي يوسف ومحمد والشافعي إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، المواقيت: ۱۲۰/۱-۱۲۲، المطبع اليوسفي لكناؤ. انيس)

(۲) (ووقت الظهر من زواله) الخ (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) الخ (سوى فئ) يكون للأشياء قبيل (الزوال) ويختلف باختلاف الزمان والمكان، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۳۳۳/۱، ظفير)

زوال اور فئی الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:

سوال: دائرہ ہندیہ کیا چیز ہے اور کیا کام آتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

دائرہ ہندیہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو:

نقشۂ دائرہ ہندیہ

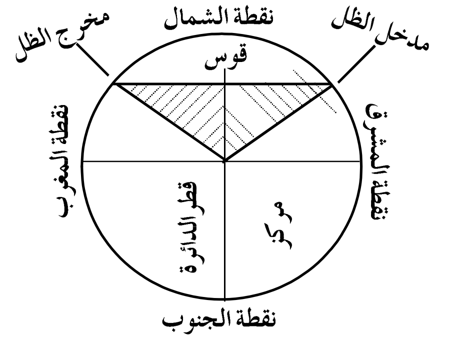

یہ دائرہ ہندیہ کا نقشہ ہے، جو زوال اور فئی الزوال معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

وللظهر من زوالها إلٰى بلوغ ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، لابد ههنا من معرفة وقت الزوال، وطريقه أن تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعًا وبعضها منخفضاً إما بصب الماء أو ببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية، وينصب في مركزها مقياس قائم بأن يكون بعد رأسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساوياً ولتكن قائمته بمقدار ربع قطر الدائرة فرأس ظله في أوائل النهار خارج الدائرة لكن الظل ينقص إلٰى أن يدخل في الدائرة فتضع علامة علٰى مدخل الظل من محيط الدائرة، ولاشك أن الظل ينقص إلٰى حدما ثم يزيد إلٰى أن ينتهي إلٰى محيط الدائرة ثم يخرج منها، وذلك بعد نصف النهار فتضع علامة علٰى مخرج الظل فتنصف القوس التي هي مابين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطًا مستقيمًا من منتصف القوس إلٰى مركز الدائرة مخرجًا إلى الطرف الآخر من المحيط، فهذا الخط هو خط نصف النهار، فإذا كان ظل المقياس علٰى هذا الخط فهو نصف النهار، والظل الذي في هذا الوقت هو فيء الزوال، فإذا زال الظل من هذا الخط فهو وقت الزوال، فذلك أول وقت

(۱) شرح الوقاية مع الحاشية: ۱/۱۲۸/وحاشية مختصر القدوري: ۲۶، سعيد

الظهر. (۱)

ترجمہ: اور وقت ظہر کی ابتداز وال سے ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہونے تک سایۂ اصلی کو چھوڑ کر، یہاں وقت زوال کو بھی جاننا ضروری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین ہموار کر دی جائے اس طور پر کہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے اونچا نیچا نہ رہے خواہ پانی بہا کر ٹھیک کر دی جائے یا سائنسدانوں کے اوزار کے ذریعہ سے، پھر اس ہموار زمین پر ایک دائرہ یعنی گول حلقہ بنالے، اور اس دائرہ کو دائرہ ہندیہ سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر مرکز دائرہ میں مقیاس (لکڑی یا تار) عموداً اس طور پر گاڑ دیں کہ اس کے سرے کی دوری ہر طرف سے برابر ہو (یعنی مقیاس اور زمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہو جائے۔ اگر مقیاس ترچھا ہو تو یہ عمل صحیح نہیں، پیمانۂ پیمائش یا دھاگے کے ذریعہ یہ معلوم کر لیں کہ مقیاس کا سرا شمالاً وجنوباً شرقاً وغرباً دائرے سے برابر فاصلہ پر ہے یا نہیں، اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے، ورنہ ترچھا ہے) نیز مقیاس دائرے کے چوتھائی حصہ کے برابر ہو (یعنی اگر پورا دائرہ چار ہاتھ ہو تو مقیاس ایک ہاتھ کے بقدر ہو) پس اس مقیاس کے سایہ کا سرا دن کے ابتدائی حصہ میں دائرۂ ہندیہ سے خارج ہوگا، لیکن سایہ کم ہوتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ مقیاس کا سایہ مغرب کی جانب سے دائرہ میں داخل ہو جائے گا پس اس جگہ ایک علامت لگا دی جائے (یہ نصف النہار سے پہلے ہوگا) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ برابر کم ہوگا ایک حد تک، پھر جانب مشرق میں بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ محیط دائرہ تک پہنچ کر دائرہ سے باہر نکل جائے گا، اور یہ نصف النہار کے بعد ہوگا، پس نکلنے کی جگہ پر بھی علامت لگا دی جائے، پھر مدخل الظل اور مخرج الظل کے درمیان قوس کے دو حصے کر دیئے جائیں اور نصف قوس سے ایک سیدھا خط کھینچا جائے، یہ خط مرکز سے گذرتا ہوا محیط دائرہ پر منتہی ہوگا، پس یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے اور جب مقیاس کا سایہ خط نصف النہار پر ہوگا وہ نصف النہار ہے (یعنی استوائے شمس) اور جو سایہ اس وقت ہوگا وہ سایۂ اصلی ہے، اور جیسے ہی سایہ اس خط نصف النہار سے جانب مشرق میں رخ کرے گا وہ زوال کہلائے گا، پس اسی سے وقت ظہر کی ابتدا ہوگی۔ (عملی طریقہ نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں)

قواعد الفقہ میں ہے:

الدائرة الهندية لمعرفة فيء الزوال فى كل بلدة صفتها فى شرح الوقاية، فليراجع. (قواعد الفقه: ۲۸۷) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۶۳/۲-۶۵)

سایۂ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ:

سوال: مثل اول ودوم نکالنے کے لئے جو سایۂ اصلی شمار کیا جاتا ہے (''بہشتی زیور'' حصۂ دوم، ص:۹) کے مطابق اگر ایک ہاتھ لکڑی کا سایہ ٹھیک دوپہر کو چار انگل تھا، تو جب تک دو ہاتھ اور چار انگل نہ ہو تب تک ظہر کا وقت ہے اور جب دو ہاتھ چار انگل ہو گیا تو عصر کا وقت آ گیا، اس حساب سے ہمارے بزرگ میاں منظور محمد صاحب سابق ہیڈ

ماسٹر ایم بی ہائی اسکول گوجرہ نے عرصہ سے گوجرہ کے لئے ایک نقشہ بنایا ہوا ہے، لیکن جامع مسجد مرکز یہ کے خطیب قدوری شریف کا حوالہ دیتے ہوئے مثل اول ودوم نکالنے کا یہ طریقہ غلط ثابت کرتے ہیں اور حساب ہذا کے مطابق بنے ہوئے وقت سے پہلے ہی اذان عصر دے دیتے ہیں، آپ سایۂ اصلی کی تعریف فرمائیں؟

الجواب

زمین بالکل ہموار کر لی جائے کہ قطعاً اونچ نیچ نہ رہے، پھر اس پر ایک دائرہ کھینچ لیا جائے اور اس کے مرکز میں لوہے کی لمبی کیل مخروطی شکل کی کھڑی کردی جائے یہ کیل قطرِ دائرہ کی ایک چوتھائی کے برابر ہونی چاہئے۔ صبح کے وقت سایہ دائرہ سے باہر ہوگا، اور آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے دائرہ کے اندر داخل ہو جائے گا، جس نقطہ سے سایہ داخل ہوگا دائرہ کے اس نقطہ پر نشان لگایا جائے، سایہ کم ہو چکنے کے بعد اب بڑھنا شروع ہوگا اور بڑھتے بڑھتے دائرہ سے باہر نکل جائے گا، محیط دائرہ کے اس نقطہ پر بھی نشان لگا دیا جائے، اب اس نقطہ اور پہلے نقطہ کو جہاں سے سایہ دائرہ میں داخل ہوا تھا، ایک خط مستقیم کے ذریعہ ملا دیا جائے، تو ایک قوس بن جائے گی، اس کے عین نصف سے ایک خط کھینچ کر مرکز دائرہ سے ملا دیا جائے، یہ خط نصف النہار ہے، کیل کا سایہ جب اس خط پر پہنچے گا، اس وقت کیل کا جتنا سایہ ہوگا، اس کو سایۂ اصلی کہتے ہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ رئیس الجامعہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۸۲/۲-۱۸۳)

سایۂ اصلی کے متعلق فتویٰ کس پر ہے:

سوال: سایۂ اصلی کے متعلق فتویٰ کس پر ہے، جواب بدلیل تحریر فرماویں؟

الجواب

فتویٰ اس پر ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل سے پہلے پڑھے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھے۔(۲)

(۱) دیکھئے! شرح الوقاية ،كتاب الصلاة،المواقيت: ۱۲۰/۱-۱۲۲، المطبع اليوسفى ، لكناؤ.انيس

(۲) والأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين فى وقتهما بالإجماع.(ردالمحتار، كتاب الصلوٰة،مطلب فى تعبده عليه الصلوٰة والسلام قبل البعثة : ۳۵۹/۱، دار الفكر بيروت.انيس)

قال مشايخنا: المستحب للإنسان أن لايؤخر الظهر حتى يصير ظل كل شىء مثله، ولايصلى العصر حتى يصير ظل كل شىء مثليه، حتى يصير مؤديا كل صلاة فى وقتها بالإجماع.(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى بيان الأوقات التى تكره: ۲۷۶/۱.انيس)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم - ۷ر شعبان ۱۳۴۱ھ - (امداد الاحکام: ۲/۱۹)

قاسمی جنتری میں دیئے گئے سایہ اصلی، کے عنوان پر گفتگو:

مخدومنا المحترم زیدت معالیھم　　السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

قاسمی دوامی جنتری ملاحظہ سے گذری واقعی بڑی کدوکاوش اور جانفشانی سے مرتب کی گئی ہے، حضرات مرتبین کی مساعی لائق تحسین ہیں، لیکن اس کی صحت وسقم پر فیصلہ کن کلام کوئی ماہر فلکیات ہی کر سکتا ہے بالخصوص جب سابق جنتریوں سے کچھ مختلف بھی ہو، ہاں اگر تجربہ کر لیا گیا ہو اور مشاہدہ میں بھی اوقات مطابق آچکے ہوں تو پھر مزید کسی کاوش کی ضرورت نہیں مستقلا معمول بہا بنائی جاسکتی ہے، البتہ ص: ۲ پر ہر ماہ کا سایہ اصلی کے عنوان کے تحت جو نقشے گھنٹہ منٹ سکنڈ کے اعتبار سے درج ہیں اس کا مفہوم واضح نہیں ہو رہا ہے اس لیے کہ سایہ اصلی عمود کے اس سایہ کا نام ہے جو ٹھیک نصف النہار کے وقت ہوتا ہے نہ کہ گھنٹہ منٹ سکنڈ اور اگر یہ مفہوم ہے کہ طلوع آفتاب کے اتنے وقفہ (مثلا ۲۰ر جنوری کو ۵ر گھنٹہ ۱۳ر منٹ ۳۶ر سکنڈ) کے بعد جو سایہ ہوتا ہے وہ سایہ مراد ہے تو اس کے لیے یہ عنوان کافی نہیں معلوم ہوتا ہے نیز اس عنوان سے زیادہ واضح تعین نصف النہار کا درج شدہ وقت کر رہا ہے پھر اس عنوان کی کیا ضرورت ہاں اگر اس عنوان (ہر ماہ کا سایہ اصلی) کے تحت مندرج تاریخ کے سایہ اصلی کی مقدار مثلا: ۱/۸، حصہ: یا ۱/۶، یا ۱/۴ حصہ ہر شئی کا لکھ دیا جائے تو زیادہ واضح ہو جاوے۔ تعمیلاً للارشاد عرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ، ۲۰/۶/۱۳۸۷ھ/ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۲۰/۶/۱۳۸۷ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۲۵-۲۶)

سایۂ اصلی کی تحقیق نیز ظہر اور عصر کا وقت مسنون:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث **"ظل الرجل کطوله"** (۱) کا یہ مطلب ہے کہ مرد کا سایہ **"بعد دلوک الشمس"** مشرق کی طرف شمار کرنا چاہئے، فئ زوال کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے، پھر اپنے اس قول کی تشریح بیان کرتا ہے۔ تشریح یہ ہے۔ زید کہتا ہے کہ **"بعد دلوک الشمس"** سوائے فئ زوال کے، ایک مثل مشرق کی جانب یعنی پورب کی طرف ناپنا چاہئے، مثلاً ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جاوے، مثلاً: ..... یہ لکڑی ہے، اس کا سایہ دوپہر کے وقت آج کل شمال کو ہوتا ہے، اس سایہ کو کچھ شمار نہ کرنا چاہئے،

(۱) عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أوقات الصلوٰة الخمس (ح: ٦١٢) انيس)

جبکہ اب جو سایہ مابین پورب وشمال کی طرف بڑھتا جائے، اس کو اس لکڑی کی جڑ سے لکڑی کے برابر ہونا چاہئے، تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ یعنی جو سایہ بڑھتا جاوے گا، اس کے سر سے سیدھی لکڑی جنوب کی طرف کھینچتے رہیں گے، جب اس لکڑی کی جڑ سے سرے تک، برابر اس کے مقدار کے پورب کی طرف ہو جاوے گا، تو ایک مثل ہوگا، یہ مطلب حدیث ''**ظل الرجل کطوله**'' کا ہے، اور جو سایہ مابین مشرق وشمال کی طرف بڑھتا جائے گا، اُس کا شمار نہ ہوگا فقط۔

عمرو کہتا ہے کہ مطلب حدیث ''**ظل الرجل کطوله**'' کا یہ ہے کہ جس طرف بغیر قید جہت کے، کسی شئی لکڑی وغیرہ کا سایہ پڑے ''**بعد دلوک الشمس**''، اس کو برابر یعنی ایک مثل لینا چاہئے، سوائے فئے زوال یعنی اصلی سایہ چھوڑ کر، وہ وقت عصر کا ہے۔ یہی مطلب بیان کیا ہے نواب صدیق حسن خان صاحب نے مسک الختام میں زیر حدیث مذکور (وبگرد دسایہ شخص مقدار درازی وے ورائے فئی زوال)(۱) اور اسی کتاب کے ص ۱۲۹ میں ہے:

شاہ ولی اللہ در مصفی گفتہ کہ باشد سایہ ہر چیز مانند قامت آں چیز سوائے فئے زوال۔(۲)

اور امام شوکانی نے نیل، ص: ۲۹۰: میں

بمصير ظل الشئ مثله غير الظل الذى يكون عند الزوال دخل وقت العصر. (۳)

اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے مالا بد میں، سایہ ہر چیز ہمچند او شود سوائے سایہ اصلی (۴) اور وقت ظہر ''**بعد دلوک الشمس**''، ہوگا، کہ وہ اندازہ ساڑھے بارہ بجے ہے۔ اس سے پیشتر نماز ظہر درست نہ ہوگی، کیوں کہ نقشہ تصدیق کردہ شاہ ولی اللہ صاحب میں ماہ، حال یعنی شروع پھاگن میں، وقت درمیان طلوع آفتاب وزوال چودہ گھڑی ہے، اس وقت سورج سات بجنے کے قریب نکلتا ہے، تو حساب سے چودہ گھڑی ساڑھے بارہ بجے ہی ہے، اور اپنا تجربہ بھی یہی ہے اور وقت عصر، اب نصف پھاگن میں، اندازہ پونے چار بجے کے بعد ہوتا ہے، جو اس سے پیشتر نماز پڑھے گا، اس کی نمازِ عصر صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ نصف پھاگن میں سات انگل کی لکڑی کا اصلی سایہ پانچ انگل ہے اور ایک مثل کے سات انگل، تو اس کا مجموعہ بارہ انگل پونے چار بجے کے بعد پورا ہوتا ہے اور وقت سے پہلے نماز درست نہیں۔ اب

---

(۱) مسک الختام فی شرح بلوغ المرام۔ نواب صدیق حسن خاں۔ ص: ۱۲۷۔ جلد اول، آغاز، باب المواقیت (مطبع نظامی کان پور: محرم ۱۲۹۰ھ) [نور]

(۲) مصفی شرح مؤطا حضرت شاہ ولی اللہؒ باب الأوقات التي يستحب فيها أداء الصلوات الخمس، ص: ۷۷، جلد اول۔ (طبع اول، مطبع فاروقی دہلی: ۱۲۹۳ھ) [نور]

(۳) نیل الأوطار، علامہ شوکانی۔ ج: ۱/ص: ۳۲۴، رقم الحدیث: ۴۱۹ (دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۱۴۱۵ھ) [نور]

(۴) مالا بد منہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۲۹ (مجتبائی، دہلی: ۱۳۴۶ھ) [نور]

علمائے ربانی سے استفسار ہے کہ موافق مذہب اہل حدیث، کس کا مطلب و پیمائش درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ اول

ازمولانا عبدالجبار غزنوی:

زید کا قول صحیح نہیں، عمرو کا قول مطابق حدیث وعلمائے مذاہب اربعہ ومشاہدہ کے ہے، ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

كانت قدر صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصيف ثلاثة أقدام إلى خمسة أقدام و فى الشتاء خمسة أقدام إلىٰ سبعة أقدام. (۱)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ فئ زوال کو اعتبار ہے، والّا یہ فرق کیوں ہوتا۔ اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے، مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث کے ضعف کو رفع کرتا ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

متى خرج وقت الظهر بمصير ظل الشىء مثله ، غير الظل الذى يكون عند الزوال دخل وقت العصر. (۲)

جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا، ظہر کا وقت ختم ہوگیا (یہ سایہ) اس سایہ کے علاوہ ہے جو زوال کے وقت موجود تھا، تو عصر کا وقت داخل ہوگیا۔

اور زرقانی علی الموطا میں ہے:

صل الظهر إذا كان ظلك مثلك، أى مثل ظلك بغير ظل الزوال. (۳)

ظہر کی نماز پڑھو، جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہوجائے۔ یعنی اس سایہ کے بغیر جوزوال کے وقت ہو۔

شرح مختصر حنابلہ میں ہے:

وقت العصر المختار من غير فصل بينهما ويستمر إلى مصير الفىء مثليه بعد فئ الزوال أى بعد

(۱) عن عبد الله بن مسعود ... باب وقت صلوٰة الظهر ...الخ. (سنن أبى داؤد، ج: ۱/ص: ۵۸ (نقل اصح المطابع، مطبوعہ کلکتہ)

ب: سنن ابى داؤد: ت: شيخ محمد عوامه كتاب الصلوٰة : باب المواقيت، باب وقت صلاة الظهر، رقم الحديث: ۴۰۳: ۱/۳۴۴ [دار القبلة للثقافة الاسلامية بيروت: ۱۴۲۵ھ]

(۲) شرح النووي على مسلم (باب اوقات الصلوٰة الخمس) ص: ۲۲۲ ج: اول [مطبع مجتبائى دهلى: ۱۳۱۹ھ] [نور]

(۳) شرح الزرقانى على الموطأ، كتاب الصلوٰة ، ص: ۳۷ (دار الكتب العلمية ، بيروت، ۱۴۱۱ھ) [نور]

(۴) الروض المربع شرح زاد المستقنع للعلامة منصور بن يونس، البهوتى المصرى مع حاشيته عبدالله بن عبد العزيز العنقرى: ۱/۱۳۵ [مكتبة الرياض الحديثة. رياض: ۱۴۰۸ھ]

الظل الذی زالت علیه الشمس. (۴)

عصر کا پسندیدہ وقت ان دونوں کے بیچ میں، بغیر کسی فاصلہ کے ہے، اور یہ ہمیشہ سایۂ مثل کی طرف لوٹتا ہے، جو زوال کے بعد ہوا، یعنی اس سایۂ کے بعد جس پر سورج کو زوال ہوا۔(۱)

امام نووی منہاج میں جو فقہ شافعیہ میں نہایت معتبر کتاب ہے۔ لکھتے ہیں:

آخره(أی وقت الظهر)مصیرظل الشیء مثله سوی ظل استواء الشمس. (۲)

اس (ظہر) کا آخر وہ ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، نصف النہار (وقت) زوال کے سایہ کے علاوہ۔

ابن ابی زید مالکی اپنے رسالہ میں جو فقہ مالکی میں معتبر کتاب ہے۔ لکھتے ہیں:

آخروقت الظهرأن یصیرظل کل شیء مثلیه بعد ظل نصف النهار. (۳)

زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

اور فقہائے حنفیہ کی کتابوں میں تو یہ بات مشہور و معروف ہے:

وقالا إذا صارظل کل شیء مثله سوی فیٔ الزوال وهوروایة عن أبی حنیفة (فی الزوال)هو الفیء الذی یکون للأشیاء وقت الزوال. (۴)

اور دونوں (حضرات صاحبین) نے کہا ہے کہ جب کسی بھی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، زوال کے سایہ کے علاوہ اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے (زوال کے بارے میں) یہ وہ سایہ ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے۔

اسی طرح شوکانی نیل الاوطار میں اور **دُرَرُ البهیة** میں فرماتے ہیں:

وآخره مصیرظل الشیٔ مثله،سوی فیٔ الزوال. (۵)

اس (ظہر) کا آخر وہ ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، نصف النہار (وقت زوال) کے سایہ کے علاوہ۔

---

(۱) مناسب ترجمہ یہ ہے: عصر کا پسندیدہ وقت بغیر کسی فصل کے ان دونوں کے بیچ میں ہے، اور یہ وقت سایۂ اصلی کے علاوہ سایہ کے دو مثل ہونے تک رہتا ہے۔ انیس

(۲) منهاج الطالبین و عمدة المفتین ص:۷، مطبع میمنیه، مصر ۱۳۰۶ھ [نور]

(۳) رسالة ابن أبی زید القیروانی،باب فی أوقات الصلاة وأسمائها: ۲٤/۱. انیس

(۴) یہ الفاظ کہاں سے لئے گئے ہیں، خاصی تلاش کے باوجود راقم کو نہیں ملے۔ (نور)

ہدایہ میں ہے: وقالا إذاصار الظل مثله وهوروایة عن أبی حنیفة وفیء الزوال هوالفیء الذی یکون للأشیاء وقت الزوال. (الهدایة مع العنایة، کتاب الصلاة،باب المواقیت: ۲۱۹/۱. انیس)

(۵) نیل الأوطار،أبواب المواقیت،باب وقت الظهر: ص: ۳۲۳-۳۲٤ ج: ۱ رقم الحدیث: ٤۱۹. ضبطه وصححه محمد سالم هاشم (دار الکتب العلمیة ،بیروت ۱٤۱۵ھ) نیز الدرر البهیة مع اردو ترجمہ از نواب صدیق حسن خاں، ص:۷ [مطبع فاروقی، دہلی: ۱۲۸۹ھ] [نور]

(۶) حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے: ''ابتداے وقتِ ظہر زوالِ شمس است از وسطِ آسمان، وآخرِ وقتِ او اینست کہ باشد سایہ ہر چیزے مانندِ قامت آں چیز، (مصفّٰی معہ مسویٰ، ص: ۷۷، طبع اول، فاروقی، دہلی: ۱۲۹۳ھ)

==

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفی (۶) میں اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں، اس کے ساتھ تصریح کی ہے۔غرض فئے زوال کے سوا ایک مثل یا مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور من بعد عصر کا وقت ہونا، مسئلہ متفق علیہا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ اس ملک میں پوس ماگھ کے مہینوں میں سارے دن میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا، کہ سایہ ہر شئی کا اس سے زیادہ نہ ہو، تو وقت ظہر کونسا ہوا، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ سوائے فی الزوال کے، جب ایک مثل ہو جائے تو وقتِ عصر داخل ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ فئے زوال کس طرح نکالنا چاہئے، علماء نے اس کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ زمین ہموار میں ایک لکڑی کو سیدھا کھڑا کر کے دیکھے، کہ عین استوائے شمس میں سایہ اس لکڑی کا کس قدر ہے، لکڑی کے مثل یا کم وبیش، جس قدر سایہ ہو، اُسی قدر سایہ چھوڑ کر، اُس پر زائد جو ایک مثل ہو جاوے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے، لکڑی کی جڑ سے ایک مثل پورا کرنے سے وقت عصر کا داخل نہیں ہوتا۔ امام ابوالحسن مالکی، شرح رسالہ ابن ابی زید میں لکھتے ہیں:

و يعرف الزوال قال بأن يقام عود مستقيم إذا تناهى الظل فى النقصان و أخذ فى الزيادة فهووقت الزوال، ولا اعتداد بالظل الذى زالت عليه الشمس فى القامة بل يعتبر ظله مفرداً عن الزيادة. (۱)

اور زوال کو پہچاننا (اس طرح سے) کہا کہ ایک لکڑی سیدھی کھڑی کیجئے، جب اس کے سایہ کی کمی ختم ہو جائے اور وہ بڑھنا شروع ہو جائے، وہ زوال کا وقت ہے۔ اس سایہ کا حساب نہیں ہے، جو سورج کے زوال سے پہلے کے وقت تھا، بلکہ اعتبار اس سایہ کا ہے جو زوال کے سایہ کے علاوہ ہو۔

اور طحطاوی میں ہے:

واستثنى فئ الزوال، لأنه قد يكون مِثْلاً فى بعض المواضع فى الشتاء، وقد يكون مثلين، فلو اعتبر المثل من عند ذى الظل لما وجد وقت الظهر عندهما ولاعنده. (۲)

اور فئ زوال کو مستثنیٰ کیا ہے، کیوں کہ کبھی کبھی جاڑے میں بعض مقامات پر ایک مثل سایہ ہوتا ہے اور کبھی دو مثل ہوتا ہے۔

== اور مسویٰ میں فرماتے ہیں: آخر وقت الظهر أن يكون ظل كل شيئ مثله، ص: ۱۱۱، ج: ۱، رقم الحديث: ۱۲۸ [دار الكتب العلمية، بيروت ۱۴۰۱هـ] (نور) وحجۃ اللہ البالغۃ (حجة الله البالغة، باب اوقات الصلوٰة ۱۱/۲) ت: البالن بوری [دیوبند ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۷ء] [نور]

(۱) الثمر الدانى شرح شرح رسالة ابن أبى زيد القيروانى، باب فى أوقات الصلاة وأسمائها: ۸۹/۱ / كذافى الفواكه الدوانى شرح رسالة ابن أبى زيد القيروانى، باب فى أوقات الصلاة و أسمائها: ۱۶۶/۱. انيس

(۲) الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوٰة: ص: ۱۷۳-۱۷۴، ج: ۱، عكس طبع قديم (دار المعرفة، بيروت ۱۳۹۵هـ)

پس اگر مثل یا مثلین کا زوال کے وقت سایہ کے ساتھ حساب کیا جائے، تو ظہر کا وقت نہ مثل اول پر ملے گا، نہ مثلین پر۔

اورشامی میں ہے:

(قوله: ولو لم يجد مايغرز) أشار إلىٰ أنه إن وجد خشبةً يغرزها فى الأرض قبل الزوال، وينتظر الظل مادام متراجعاً إلى الخشبة، فإذا أخذ فى الزيادة حفظ الظل الذى قبلها فهو ظل الزوال فإذا بلغ الظل طول القامة مرتين أو مرة سوى ظل الزوال، فقد خرج وقت الظهر، ودخل وقت العصر. (۱)

اگر ایک لکڑی مل جائے اس کو زمین میں زوال سے پہلے گاڑ دو، اور زوال کے وقت کا انتظار کرو، جب لکڑی کا سایہ اس لکڑی کی طرف واپس آنے لگے، تو جب سایہ بڑھنے لگے، اس کو پہلے سایہ سے الگ یاد رکھیں، جو سایہ اس سے پہلے کا ہے وہ زوال کا سایہ ہے، جب سایہ اصل چیز کی لمبائی سے دوگنا ہو جائے، زوال کے سایہ کے علاوہ، تو ظہر کا وقت ختم ہوا اور عصر کا وقت داخل ہوگیا۔

اورشرح وقایہ میں ہے:

مثلاً إذا كان فئ الزوال مقدار ربع المقياس، فآخر وقت الظهر أن يصير ظله مثلى المقياس وربعه، هٰذا فى رواية عن أبى حنيفةؒ، و فى رواية أخرى عنه وهو قول أبى يوسف ومحمد و الشافعي: إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فئ الزوال. (۲)

مثلاً جب فئ زوال پیمائش کی لکڑی کی چوتھائی کے برابر ہو جائے، ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب اس لکڑی کا سایہ دوگنے سے سوا ہو جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہے، امام صاحب کی دوسری روایت میں اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کا قول ہے، کہ جب ہر ایک چیز کا سایہ زوال کے سایہ کے علاوہ، اس لکڑی کے برابر ہو جائے۔

اور کفایہ میں ہے:

و طريق معرفة الزوال، أن ينصب عوداً مستوياً فى أرض مستوية، فما دام ظل العود فى النقصان، علم أن الشمس فى الارتفاع لم يزل بعد، و إن استوىٰ الظل علم أنه حال الزوال، فإذا أخذ الظل فى الزيادة علم أنها زالت. فيخط على رأس الزيادة فيكون من رأس الخط إلى العود فئ الزوال، فإذا صار ظل العود مثليه من رأس الخط لامن العود، خرج وقت الظهر عنده. (۳)

(۱) شامی (۲۴۰/۱) مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ۔ نیز شامی ج: ا ص: ۳۶۰۔ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] (نور)

(۲) شرح الوقاية معه حاشية عمدة الرعاية، ص: ۱۴۷، ج: ۱۔ (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۷ھ) [نور]

(۳) الكفاية شرح الهداية، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، ص: ۱۷۰ جلداول. [مطبوعہ، مولوی عبدالمجید کلکتہ: ۱۸۳۱ء] (نور) نیز الكفاية شرح الهداية باب المواقيت ص: ۲۸ ج: ۱ [مطبع احمدی امو جان دہلی]

اور زوال کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین میں ایک لکڑی سیدھی گاڑ دی جائے، تو جب سورج کا سایہ اس لکڑی سے کم رہے، تو سمجھ لو کہ سورج چڑھ رہا ہے، جب سایہ اس لکڑی کے برابر ہو جائے، تو معلوم ہوا کہ زوال کا وقت ہے اور جب سایہ بڑھنے لگے تو معلوم ہوگا، کہ زوال ختم ہوا۔ اس زائد سایہ پر نشان لگا دیں، اس نشان کو لکڑی تک فیٔ زوال ہے، اور جب فیٔ زوال کا سایہ اس نشان سے بڑھ کر ایک مثل ہو جائے، (اس کا خیال رہے کہ یہ سایہ لکڑی کی جڑ سے شمار نہ ہوگا) تو ظہر کا وقت نکل جائے گا۔

اور شرح مختصر وقایہ میں ہے:

ثم يعلم على رأس الظل علامة عند الخرافة،فإذا صار الظل من تلك العلامة لامن العود مثلى العود،خرج وقت الظهر عند أبى حنيفة. (۱)

پھر جانو کہ سایہ کے آغاز پر اہل فن کے یہاں ایک نشان ہوتا ہے، پس جب سایہ اس نشان سے بڑھ کر اصل لکڑی کے برابر ہو جائے، نہ کہ لکڑی سے اس تک، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو گیا۔

شاید زید یہ دو قول متاخرین حنفیہ کے دیکھ کر، اس سے اپنا مطلب نکالتا ہے، مگر درحقیقت یہ اس کی سمجھ کا فرق ہے، ان دونوں قولوں کا بھی وہی مطلب ہے جو شامی اور صاحب شرح وقایہ نے بیان کیا ہے۔ مطلب اس علامت اور خط سے بھی یہی ہے کہ فیٔ الزوال کا قدر معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس علامت اور خط کے اندازہ پر سایہ جس طرف ہو جاوے، اُسی قدر بوقت عصر چھوڑ کر، زائد از اں یک مثل پورا کرنا ضروری ہے۔ غرض کہ زید کی تشریح و بیان کی سند میں میری نظر سے نہ کسی محدث کا قول گذرا ہے اور نہ کسی فقیہ کا۔ یہ فقط اُس کا عندیہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

عبد الجبار ابن عبد اللہ الغزنوی

الجواب ———————

از مولانا رشید احمد گنگوہی:

بے شک فیصلہ مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی بہت درست ہے، اور پیائش ان کی موافق حدیث جابرؓ جو ذیل میں درج ہے، بہت ٹھیک ہے، کہ جس طرف سایہ بعد زوال پڑے، لکڑی کی جڑ سے بقدر سایہ اصلی یعنی فیٔ زوال اور ایک مثل کے ہو جانے سے، وقت عصر کا ہو جاوے گا۔ حدیث یہ ہے:

عن بشير بن سلام قال: دخلت أنا ومحمد بن علي،علي جابربن عبد الله الأنصارى فقلنا له: أخبرنا عن صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم،وذاك زمن الحجاج بن يوسف.قال خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فصلي الظهرحين زالت الشمس وكان الفيء قدر الشراك،

(۱) شرح الوقاية،كتاب الصلوٰة،بيان الاوقات للصلوات الخمس،ص:۱٤٧،حاشیۃ:۳،جلد اول[مطبع مجتبائی دہلی:۱۳۲۷ھ]

(۲) سنن النسائي مع حاشية السندهي ،كتاب المواقيت،باب آخروقت المغرب جلد اول(مطبوعہ مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۵ھ)[نور] نیز سنن نسائی مع حاشیہ مذکور ص:۱۳۷۔ حدیث:۵۲۰، تحقیق صدقی جمیل العطار، ۲۰۰۵ء[دار الفکر بیروت:۱۴۲۵ھ/۱۴۲۶ھ]

ثم صلی العصر حین کان الفیٔ قدر الشراک وظل الرجل، الخ. (۲)

بشیر بن سلام سے روایت ہے کہ میں اور محمد بن علی، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق بتایئے اور یہ حجاج بن یوسف کا دور تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ظہر کی نماز پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور اس وقت سایہ جوتے کے تسمہ کے برابر تھا، پھر عصر کی نماز پڑھی جب سایہ جوتے کے تسمے اور آدمی کے سایہ کے برابر تھا۔

یہ حدیث نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے اور سندھی محدث نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

قدر الشراک بکسر الشین أحد سیور النعل التی تکون علی وجهها، وظاهر هذه الروایة أن المراد الفیٔ الأصلی لا الزائد بعد الزوال، ولذلک استثنیٰ فی وقت العصر. (۱)

شراک، شین کے زیر سے ہے، جوتے کا تسمہ جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اصل سایہ مراد ہے، وہ زائد سایہ نہیں جو زوال کے بعد ہوتا ہے، اسی لئے اس سے وقت عصر کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اور مجمع البحار میں لفظ شراک کے تحت میں، اس حدیث شراک کی شرح یوں کی ہے:

صلی الظهر حین کان الفیٔ بقدر الشراک، هو أحد سیور النعل تکون علی وجهها، وقدره هنا لیس علی وجه التحدید لکن زوال الشمس لایبین إلا بأقل ما یری من الظل وکان حینئذ بمکة هذا القدر، والظل یختلف باختلاف الأزمنة والأمکنة، الخ. (۲)

ظہر کی نماز پڑھیں جب کہ فیٔ زوال اور (زائد) سایہ اس طرح برابر ہو جائیں، جیسے ایک جوتے کا تلہ دوسرے تلے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی یہ مقدار یہاں تحدید کے لئے نہیں، کیوں کہ سورج کے زوال کا وقت صحیح طور سے محقق نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ سایہ ذرا سا بڑھ نہ جائے، اور مکہ مکرمہ میں یہی پہچان تھی اور سایہ وقت اور علاقوں کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ پیمائش موافق حدیث ایک مثل کے ہے، یہی مذہب راجح ہے اور مذہب ثانی جو راجح نہیں، لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ کا مضمون ہے:

---

(۱) سنن نسائی مع حاشیہ سندھی، کتاب المواقیت، باب آخر وقت المغرب جلد اول (مطبوعہ مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۵ھ) [نور] نیز سنن نسائی مع حاشیہ مذکور ص: ۱۳۷۔ حدیث: ۵۲۰، تحقیق صدقی جمیل العطار ۲۰۰۵ء [دار الفکر بیروت: ۱۴۲۵ھ/۱۴۲۶ھ]

(۲) مجمع البحار، علامہ محمد طاہر پٹنی، ص: ۲۱۲، ج: ۳ (تحت الشرک) (دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۹۱ھ) [نور]

(۳) مؤطا، امام مالک، ص: ۳ (وقوت الصلوٰۃ) (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۰ھ) نیز ص: ۵ [نور محمد، اصح المطابع ۱۴۰۴ھ] نیز موطا امام مالک باب مذکور، ج: ۱، ص: ۱۳، رقم الحدیث: ۹، تحقیق: دکتور محمود احمد القیسیه [موسسة النداء ابوظبی. ۱٤۲٤ھ/ ۲۰۰٤ء] (نور)

صَلِّ الظهر إذا كان ظلك مثلك ،والعصر إذا كان ظلك مثليك. (رواه في الموطأ)(۳)

ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہوجائے اور عصر پڑھو جب تمہارا سایہ دوگنا ہوجائے۔(اس کو مؤطا میں روایت کیا ہے۔)

اسی واسطے مولوی عبدالجبار صاحب نے مذہب ثانی کی پیمایش بھی درج کردی، ورنہ ان کے نزدیک روایت معمول بہا ایک ہی مثل ہے۔اورزید کی پیمایش پر جو قول کسی فقیہ یا محدث کا نہ ملا تو بیان کردیا کہ یہ اس کا عندیہ ہے، پھر پیمائش زید مخالف ہے حدیث کے بھی، حدیث کہتی ہے فئ یعنی سایہ پیمایش کیا جاوے اور زید کی پیمایش میں دھوپ چلتی ہے اور دوسرے مخالف ہے حدیث قیراط سے بھی، جو بخاری در باب **وقت عصر من أدرک رکعة قبل الغروب** لایا ہے، جس سے عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کم معلوم ہوتا ہے، نہ برابر نہ زیادہ۔ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے، اگر وقت عصر کے ایک مثل پر تفریع کی جاوے، جیسا کہ مذہب جمہور کا ہے:

وأجيب بمنع المساواة وذالک معروف عند أهل العلم بهذا الفن،وهو أن المدة التى بين الظهر والعصر أطول من المدة التى بين العصر والمغرب. (۱)

منع مساوات سے (اعتراضات کا) جواب دیا گیا ہے اور یہ اس فن کے ماہرین میں مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو وقت ظہر اور عصر کے بیچ میں ہوتا ہے، وہ اس وقت سے زائد ہوتا ہے، جو عصر اور مغرب کے بیچ میں ہوتا ہے۔

زید کی پیمایش میں برخلاف اس کے، زید کا مقولہ درست نہیں ہے، ورنہ لازم آوے گا کہ جن ایام میں سایہ اصلی ایک مثل یا اس سے زائد ہو، تو نماز ظہر کا کوئی وقت نہ رہے گا، اس لئے کہ بفور ڈھلنے کے ایک مثل سایہ ہوجانے کے، سبب اس تقدیر پر عصر کا وقت ہوجاوے گا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) فتح الباری. كتاب مواقيت الصلوٰة و فضلها باب من أدرک رکعة من العصر قبل الغروب. (حدیث نمبر ۵۵۸) ص ۴۰ ج ۲۔ [دار الفيحاء، دمشق:]

(۲) اس فتوی کے ضمن میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے حضرت مولانا گنگوہی کی تحقیق سے کچھ اختلاف بھی کیا ہے، مناسب ہے کہ اس کو بھی یہاں نقل کردیا جائے۔ دونوں مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بہت صحیح و درست لکھا ہے مگر مجیب ثانی نے جو یہ فرمایا کہ ''مذہب ثانی (یعنی وقت ظہر کا مثلین تک باقی رہنا) جو راجح نہیں لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہؓ کا مضمون ہے:

''صل الظهر إذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك''.(رواه في الموطا. ج: ۱/ص: ۱۳ رقم الحديث: ۹ .تحقيق: الدكتور محمود احمد[موسسة النداء ۱٤۲٤هـ/۲۰۰٤ء])

سو یہ ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ ابو ہریرہ کی اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا بااصل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس واسطے کہ اس حدیث میں ظہر وعصر کے اول وقت کا بیان نہیں ہے، بلکہ آخر وقت کا بیان ہے اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت ایک مثل سے مثلین تک، پس اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا بااصل ہونا نہیں ثابت ہوتا ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ ==

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، باب:۳،ص۱۴۳-۱۵۱)

مثل ثانی ظہر میں داخل ہے یا نہیں:

سوال: مثل ثانی بقول معتمد علیہ در ظہر داخل است یا نہ؟ وآں کہ بعضے دریں باب حتی یساوی ظلہ... حجت می آورند، نزدآں صاحب قابل حجت است یا نہ؟ اگر ہست وجہ استدلال بیان نمائید، والامحض جواب کافی است۔

ترجمہ: مثل ثانی معتمد علیہ قول کے مطابق، ظہر میں داخل ہے یا نہیں، اور وہ بعض اصحاب جو اس بحث میں "حتی یساوی ظلہ" کو دلیل میں لاتے ہیں، آنجناب کے نزدیک لائق استدلال ہے، یا نہیں۔ اگر ہے تو استدلال کی وجہ بیان کیجئے، ورنہ صرف جواب کافی ہے۔

الجواب

در مثل ثانی علماء حنفیہ اختلاف کردہ اند، مشہور روایت ہموں است کہ مثل ثانی در ظہر است، مگر بعض معتمدین بر مذہب صاحبین فتویٰ دادہ اند۔ واحوط ہم ہمیں است کہ ظہر در مثل وعصر بعد مثلین خوانند، وچونکہ از اہل ترجیح ایں ناکارہ نیست، در وجہ ترجیح کلام نمی تواند کرد۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ: مثل ثانی میں علمائے احناف نے اختلاف کیا ہے، مشہور وہی روایت ہے کہ مثل ثانی ظہر میں ہے، مگر بعض معتمدین صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر مثل اول میں اور عصر مثلین کے بعد پڑھیں، چوں کہ یہ ناکارہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے، وجہ ترجیح میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

== قال فی التعلیق الممجد:

و اقتصر فیہ علی ذکر أواخر الأوقات المستحبۃ دون أوائلھا، فکأنہ قال الظھر من الزوال إلی أن یکون ظلک مثلک والعصر من ذلک الوقت إلی أن یکون ظلک مثلیک،انتھیٰ.(ألتعلیق الممجدعلی موطأ الإمام محمد. للعلامۃ اللکنوی کتاب الصلوٰۃ ، باب وقوت الصلاۃ.ص: ٤١ . حاشیہ: ٩، محمدیوسف.لکھنؤ مطبع بلاسنہ. نیز التعلیق الممجد علی المؤطا باب مذکور: ١/: ١٥١-١٥٢، تحقیق: الدکتور تقی الدین الندوی، ناشر:۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء۔)واللّٰہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم. کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔فتاویٰ نذیریہ،ص:۱۸،ج اول[نور])(فتاویٰ نذیریہ ضمیمہ جلد دوم ص۱۴ تا ۱۸ (طبع اول، دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی:۱۳۳۳ھ)

(۱) ووقت الظھرمن زوالہ إلی بلوغ الظل مثلیہ - وعنہ مثلہ وھوقولھماوزفروالأئمۃالثلاثۃ،قال الإمام الطحاوی:وبہ نأخذ،وفی غررالأذکار :وھوالمأخوذبہ،وفی البرھان:وھوالأظھرلبیان جبرئیل،وھونص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی -...والأحسن مافی السراج عن شیخ الإسلام أن الاحتیاط أن لایؤخرالظھرإلی المثل،وأن لایصلی العصرحتی یبلغ المثلین.(ردالمحتارمع الدرالمختار،کتاب الصلوٰۃ،مطلب فی تعبدہ علیہ الصلاۃوالسلام قبل البعثۃ: ١/٣٥٩.انیس)

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۷۷-۱۷۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، باب:۳ رص ۱۵۱-۱۵۲)

ظہر کا وقت کب تک رہتا ہے:

سوال: فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ظہر کا وقت بعض علما کے نزدیک اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا دو مثل ہو جائے۔ یعنی دو چند ہو جائے، اور بعض علماء کرام کے نزدیک ظہر کا وقت صرف اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے سوا ایک مثل ہو جائے۔ یعنی اس کے برابر ہو جائے، تو اس اختلاف کا منشا کیا ہے؟ معلوم نہیں کہ بعض مجتہدینؒ نے دو مثل کہاں سے ثابت کیا ہے اور بعض مجتہدینؒ نے ایک مثل کہاں سے ثابت کیا ہے؟ اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔

الجواب ______________________

ہدایہ میں لکھا ہے:

وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس لإمامة جبرئيل عليه السلام فی اليوم الأول حين زالت الشمس وآخروقتها عند أبی حنيفةؒ إذا صار ظل كل شیء مثليه سوی فیء الزوال، وقالا: إذا صار الظل مثله وهو رواية عن أبی حنيفةؒ وفیء الزوال يكون للأشياء وقت الزوال لهما إمامة جبرئيل عليه السلام فی اليوم الأول فی العصر فی هذا الوقت وله قوله عليه السلام: أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم وأشد الحر فی ديارهم فی هذا الوقت وإذا تعارضت الآثار فلا ينقضی الوقت بالشك، انتهى (۱)

یعنی ظہر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب آفتاب ڈھل جائے، اس واسطے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے تاکہ ظہر کے وقت سے آگاہ کردیں، پہلے دن جب آئے تو ظہر کی نماز میں اس وقت امامت کی جب زوال کا وقت ہوا۔ یعنی آفتاب ڈھل گیا اور ظہر کا آخر وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے سوا دو مثل ہو جاتا ہے، یعنی دو چند ہو جاتا ہے۔ صاحبینؒ (یعنی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ) نے کہا ہے کہ ظہر کا آخر وقت یعنی منتہی وقت اس وقت ہو جاتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک مثل ہو جائے۔ یعنی اس کے برابر ہو جائے اور یہی حکم ہونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی ایک روایت میں آیا ہے۔ زوال کے وقت ہر چیز کا جس قدر سایہ ہوتا ہے اسی کو سایہ اصلی کہتے ہیں۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلے دن جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ

(۱) الهداية شرح بداية المبتدی، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، انيس

وسلم کے حضور میں آئے تاکہ عصر کے اول وقت سے آگاہ کردیں تو اسی وقت عصر کی نماز میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امامت کی۔امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو۔اس واسطے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے اوران کے ملک میں گرمی کی شدت اسی وقت ہوتی ہے،جب آثار میں تعارض ہے تو شک کی حالت میں حکم نہ ہوگا کہ وقت تمام ہوگیا۔(یہ ترجمہ ہدایہ کی عبارت مذکور کا ہے۔)

البحر الرائق میں لکھا ہے:

والظهرمن الزوال إلٰى بلوغ كل شيء مثله سوى فيء الزوال أى وقت الظهرأما أوله فمجمع عليه لقوله تعالىٰ: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ أى لزوالها وأما اٰخره ففيه روايتان عن أبى حنيفة روى محمد عنه مافى الكتاب والثانية رواية الحسنؒ إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فى ء الزوال وهو قولهما لهما إما مة جبرئيل فى اليوم الأول فى هذ الوقت وله قوله عليه السلام: ”أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم“ وأشد الحر فى ديارهم كان فى هذاالوقت و إذا تعارضت الآثارلا ينقضى الوقت بالشک وذكرشيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصرحتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين فى وقتهما بالإجماع، كذا فى السراج،انتهى مختصراً. (۱)

یعنی ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اوراس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک مثل ہو جائے ،یعنی اس کے برابر ہوجائے ،ظہر کا اول وقت تو متفق علیہ ہے،اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سورج ڈھل جائے تو نماز ادا کرو،البتہ اس کے آخر وقت کی تعیین میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایات ہیں۔جو روایت اس کتاب میں مندرج ہے وہ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے۔دوسری روایت وہ ہے کہ حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ ظہر کا آخری وقت یعنی منتہیٰ وقت اس وقت ہوجاتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک مثل ہوجائے۔یعنی اس کے برابر ہوجائے۔یہی صاحبینؒ کا قول ہے،صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن اسی وقت عصر کی نماز میں امامت کی۔امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو۔ اس واسطے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے اوران کے ملک میں گرمی کی شدت اسی وقت ہوتی ،اور جب آثار میں تعارض ہوا تو شک کی حالت میں حکم نہ ہوگا کہ وقت گذر گیا،اور شیخ الاسلامؒ نے ذکر کیا کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر میں ایک مثل سے زیادہ دیر نہ کرے اور عصر دو مثل کے بعد پڑھے۔تاکہ دونوں نمازیں اپنے وقت میں بالاتفاق ادا ہوں۔ایسا ہی سراج

(۱) البحر الرائق،كتاب الصلوٰة،باب أوقات الصلوٰة،وقت صلوٰةالظهر: ۲۵۸/۱،دار الكتاب الإسلامى، انيس

میں لکھا ہے۔ (یہ البحر الرائق کی عبارت کا ترجمہ ہے۔)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "وقت الظہر إذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ مالم یحضر العصر". (الحدیث)(۱)

ترجمہ: یعنی روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے: کہا انہوں نے کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظہر کا وقت وہ وقت ہے کہ آفتاب ڈھل جائے اور ہر شخص کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔

ترجمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس حدیث کے بیان میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ!

امام ابو یوسفؒ، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ اور بعض دیگر علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ آخر وقت ظہر کا اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر شخص کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے اور اس کے بعد عصر کا وقت آ جاتا ہے۔ یہی حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے اور یہی حکم امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں آیا ہے، بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے یعنی دو چند ہو جائے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہدایہ میں ہے کہ حدیث شریف میں ہے:

أبردوا بالظہر. (۲)　　یعنی ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھنڈے وقت یعنی جب گرمی کی شدت کم ہو جائے تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے اور گرمی کی شدت ان کے ملک میں اس وقت ہوتی ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور دونوں حدیث میں تعارض ہے اور احتیاط اس میں ہے، کیونکہ اس میں شک ہے کہ ایک مثل کے بعد وقت ظہر کا

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، الفصل الثالث من باب المواقیت (ح: ۵۸۱)

أخرجہ مسلم فی الصحیح فی باب أوقات الصلوات الخمس (ح: ۶۱۲)/وأبو داؤد الطیالسی فی مسندہ، أبو أیوب الأزدی عن عبد اللّٰہ بن عمرو (ح: ۲۳۶۳)/والإمام أحمد، مسند عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص (ح: ۶۹۶۶)/وابن حبان فی الصحیح، ذکر الأخبار عن أوائل الأوقات وأواخرہا (ح: ۱۴۷۳) انیس

(۲) صحیح البخاری، باب الإبراد بالظہر فی شدۃ الحر (ح: ۵۳۳)/سنن النسائی، الإبراد بالظہر إذا اشتد الحر (ح: ۵۰۱)/مسند أبی یعلی الموصلی، من مسند أبی سعید الخدری (ح: ۱۳۰۹) ومن مسند عائشۃ (ح: ۴۶۵۶، وح: ۴۹۴۹) انیس

عن عمر بن الخطاب أنہ قال: أبردوا بالظہر عن فیح جہنم. (الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی، باب مواقیت الصلاۃ (ح: ۶۶) انیس)

گذر جاتا ہے تو شک کی بناء پر نہ کہنا چاہئے کہ سایہ اصلی کے سواء جب ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت گذر جائے گا۔

دوسری دلیلیں بھی شرح میں مذکور ہیں، بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ ظہر ایک مثل کے قبل پڑھ لینا چاہئے اور عصر دو مثل کے بعد پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم

یہ مضمون شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت کا ہے، جس حدیث کا حوالہ ترجمہ میں دیا گیا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة. (۱)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی کی شدت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو۔

یعنی ظہر کی نماز اول وقت سے کچھ دیر کر کے پڑھو۔ تا کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام ظہر کی نماز پڑھنے میں اس وقت تک تاخیر کرتے تھے کہ ٹیلہ کا سایہ زمین پر پڑ جاتا تھا اور ٹیلہ منبسط ہوتا ہے یعنی پھیلا رہتا ہے۔ (۲) اس وجہ سے اس کا سایہ زوال کے بعد دیر میں پڑتا ہے بخلاف دراز چیزوں کے جیسے منارہ وغیرہ کہ اس کا سایہ جلد ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پانچ قدم سایہ آ جائے تو اس وقت ظہر پڑھنا چاہئے۔ (۳)

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جاتی تھی، صحابہ

---

(۱) صحیح البخاری، باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر (ح: ۵۳۳)/ سنن ابی داؤد، باب وقت صلاة الظهر (ح: ٤٠٢)/ الصحیح لمسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب استحباب الظهر فی شدة الحر، الخ (ح: ٦١٥)/ مسند الدارمی، باب الإبرادبالظهر (ح: ١٢٤٣)/ مسند الحمیدی، أحادیث أبی هریرة (ح: ٩٧١)/ مسند الشافعی، باب الإبرادبالظهر (ح: ١٣٣) انیس)

(۲) عن أبی ذر الغفاری قال کنامع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فأرادالمؤذن أن یؤذن للظهر فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له أبرد حتی رأینا فیء التلول فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: إن شدة الحرمن فیح جهنم فإذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة، وقال ابن عباس تتفیأ تتمیل. (الصحیح للبخاری کتاب مواقیت الصلاة، باب الإبرادبالظهر فی السفر (ح: ٥١٤) انیس)

(۳) عبداللّٰه بن مسعود قال: کانت قدر صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الصیف ثلاثة أقدام إلی خمسة أقدام وفی الشتاء خمسة أقدام إلی سبعة أقدام. (سنن أبی داؤد، باب فی وقت صلاة الظهر (ح: ۴۰۰)/ المصنف لابن أبی شیبة، من قال کم یصلی الظهر قد ماووقت فی ذلک (ح: ٣٢٨٩)/ سنن النسائی، آخر وقت الظهر (ح: ٥٠٣) انیس

(۴) عن زبیر بن العوام قال: کنا نصلی الجمعة مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نبتدر الفیء فمایکون إلاقدر قدم أوقدمین. (الصحیح لابن خزیمة، باب التبرید فی صلاة الجمعة (ح: ١٨٤٠) انیس)

کرام دیوار کے سایہ میں نماز کے لیے جایا کرتے تھے، اس زمانہ میں دیوار سات گز بلند ہوا کرتی تھی۔ (۴)

اس لئے بعض علما نے کہا کہ اوسط وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے۔ بعض شافعیہؒ نے کہا کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے۔ تو اس سے مطلب یہ ہے کہ زوال کے وقت پڑھنا چاہئے۔ اس واسطے کہ بہ نسبت وقت استواء کے زوال کے وقت ٹھنڈا وقت آ جاتا ہے۔ تو بعض شافعیہ کا یہ قول قیاس سے بعید ہے اور تجربہ کے خلاف ہے کہ بہ نسبت وقت استواء کے زوال کے وقت گرمی کم ہو جاتی ہے۔ اس واسطے کہ سبب کی قوت کا جس قدر اثر ہوتا ہے، اس سے سبب کے دوام کا زیادہ اثر ہوتا ہے، چنانچہ آدھی رات میں جس قدر سردی ہوتی ہے، اس سے زیادہ سردی صبح کو ہوتی ہے۔ حالانکہ صبح کو آفتاب نزدیک ہو جاتا ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ گرمی کی شدت اس ملک میں اس وقت ہوتی ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوتا ہے، تو ٹھنڈک اس کے بعد ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ صحیح احادیث سے اس امر میں مبالغہ کرنے کا حکم ثابت ہے کہ ٹھنڈے وقت میں ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے اور یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے کہا کہ ہم لوگوں نے دوپہر کی گرمی کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو قبول نہ فرمایا۔ (۱)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس کیا تھا کہ ظہر کے آخر وقت سے بھی ظہر کی نماز میں دیر کی جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ واللہ اعلم

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ضرورت کی حالت میں اجازت ہے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے اور یہی ان لوگوں کے لئے حکم ہے کہ جماعت کی تلاش میں مسجدوں میں جاتے ہیں، یعنی اس تلاش میں دوڑتے ہیں کہ کس مسجد میں جماعت ملے گی اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جو شخص تنہا نماز پڑھتا ہے یا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ اول وقت سے تاخیر نہ کرے، اس واسطے کہ تاخیر کرنا ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔

ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی حکم فرماتے تھے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے۔ حالانکہ وہاں سب لوگ ایک جگہ جمع رہتے تھے۔ ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ جو قول ہے کہ گرمی کی شدت میں ظہر میں تاخیر کرنا چاہئے۔ تو یہ قول زیادہ بہتر ہے اور بہت مناسب ہے، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ

(۱) عن خباب قال: أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فشكونا إليه حر الرمضاء فلم يشكنا، قال زهير: قلت لأبي إسحٰق: أفي الظهر؟ قال: نعم، قلت: أ في تعجيلها؟ قال: نعم. (الصحيح لمسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب تقديم الظهر في أول الوقت في غير شدة الحر (ح: ٦١٩)/ سنن النسائي كتاب المواقيت، أول وقت الظهر (ح: ٩٤٧) انیس)

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة... ==

علیہ وسلم کے حکم کی زیادہ اتباع ہوتی ہے۔(۲) یہ ترجمہ سے لکھا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے کہ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کرنے کا ذکر ہے کہ ہر چیز کا سایہ جب سایہ اصلی کے سوا ایک مثل ہوگیا تو اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی(۱) اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے کہ اسمیں حکم ہے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے اور اس کی دلیل اوپر گذری ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب وإلیہ المرجع والمآب (فتاویٰ عزیزی اردو:۴۶۴-۴۶۸)

ظہر کا وقت:

سوال: کیا ظہر کی نماز ایک بجکر ۵ منٹ پر ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ ہماری فیکٹری میں مستقل اسی وقت ظہر کی جماعت ادا کی جاتی ہے؟

الجواب

== فإن شدةالحرمن فيح جهنم...قال أبوعيسىٰ حديث أبي هريرةحديث حسن صحيح وقد اختارقوم من أهل العلم تأخيرصلوٰة الظهر في شدة الحر وهوقول ابن المبارك وأحمد وإسحٰق، قال الشافعي: إنما الإبراد بصلوٰة الظهر إذا كان مسجداً ينتاب أهله من البعد فأماالمصلي وحده والذي يصلي في مسجد قومه فالذي أحب له أن لايؤخر الصلوٰة في شدة الحر،قال أبوعيسىٰ: ومن ذهب إلى تأخير الظهر في شدةالحر أولىٰ وأشبه بالاتباع وأما ماذهب إليه الشافعي أن الرخصة لمن ينتاب من البعد والمشقة على الناس فإن في حديث أبي ذرمايدل على خلاف ماقال الشافعي قال أبوذر كنامع النبي صلى الله عليه وسلم في سفرفأذن بلال بصلاة الظهرفقال النبي صلى الله عليه وسلم يابلال أبردثم أبرد،فلوكان الأمرعلى ماذهب إليه الشافعي لم يكن للإبراد في ذلك الوقت معنى لاجتماعهم في السفروكانوا لايحتاجون أن ينتابوا من البعد.(سنن الترمذي،كتاب الصلوٰة،باب مواقيت الصلوٰة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ماجاء في تأخير الظهرفي شدةالحر(ح:۱۵۷)انيس)

(۱) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:أمني جبرئيل عند البيت مرتين فصلى الظهر في الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلى المرة الثانية الظهرحين كان ظل كل شيء مثله لوقت العصر بالأمس ثم صلى العصر حين كان ظل كل شيء مثليه ثم صلى المغرب لوقته الأول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين أسفرت الأرض ثم التفت إلى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين.(سنن الترمذي،باب ماجاء في مواقيت الصلوة عن النبي صلى الله عليه وسلم، أبواب الصلوة (ح:۱۴۹)/سنن أبي داؤد، باب المواقيت (ح: ۳۹۳) انيس)

(۲) عن أبي بردة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم...ويصلي الظهر إذازالت الشمس.(الصحيح للبخاري، كتاب مواقيت الصلوٰة،باب وقت الظهرعندالزوال (ح:۵۱۶)

أوّل وقت الظهرإذا زالت الشمس.(الهداية،كتاب الصلوٰة،باب المواقيت،انيس)

ظہر کا وقت زوال آفتاب کے فوراً بعد ہوجاتا ہے۔(۲) اور زوال آفتاب کا وقت موسموں کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ اس کے لئے اوقات کے مفصل نقشے چھپے ہوئے عام ملتے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، چونکہ اکثر موسموں میں ایک بجے سے پہلے ہی ظہر کا وقت ہوجاتا ہے۔ اس لئے آپ ایک بجے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ والسلام

احقر محمد تقی عثمانی۔۱۳۔۱۔۱۳۹۹ھ (فتویٰ نمبر ۱۱۷۔۱۳۰۔الف) (فتاویٰ عثمانی:۳۸۹/۱۔۳۹۰)

وقت ظہر اور امام صاحب:

سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع وقت ظہر مثلین سے اور "الشفق هو البياض" سے اور جائز ہونا مسح کا اوپر جورب کے یہ منعل یا مجلد ہو ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

رجوع امام صاحب کا مثلین سے وقت ظہر میں اور وقت مغرب میں شفق ابیض سے ثابت نہیں اور قول امام اصح واحوط ہے۔ **كما حققه العلامة الشامي.** (۱)

اور جورب منعل و مجلد پر مسح کا جواز مسلم ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۲/۲)

انتہائی وقت ظہر عند الحنفیہ:

سوال: حنفیہ کے نزدیک انتہائی وقت ظہر کہاں تک ہے۔ ایک مثل تک یا دو مثل تک یعنی نماز ظہر کب سے قضا پڑھنی چاہئے اور نماز عصر کب پڑھنی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قال في الدر المختار: "ووقت الظهر من زواله ... إلى بلوغ الظل مثليه وعنه مثله وهو قولهما

(۱) الشفق هو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما في شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب. (الدر المختار)

قوله وإليه رجع الامام أى إلى قولهما الذى هو رواية عنه، الخ.

ورده المحقق في الفتح بأنه لايساعده رواية ولا دراية، وقال تلميذه العلامة قاسم في تصحيح القدوري: إن رجوعه لم يثبت، الخ، فثبت أن قول الإمام هو الأصح، الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، ج: ۱، ص: ۳۳٤-۳۳٥، ظفير)

قلت: ما ذكر من الرجوع فشاذ لم يثبت، لما نقله الكافة عن الكافة من لدن الأئمة الثلاثة وإلى الآن من حكاية القولين ودعوى حمل عامة الصحابة خلاف المنقول. (كتاب التصحيح والترجيح على مختصر القدوري: ۱۵۵/۱، دار الكتب العلمية. انيس)

(۲) أو جوربيه من غزل أو شعر الثخينين، الخ، والمنعلين ماجعل على أسفله جلدة والمجلدين. (الدر المختار) ما ذكره المصنف من جوازه على المجلد والمنعل متفق عليه عندنا. (رد المحتار: باب المسح على الخفين، ج: ۱، ص: ۲٤۹، ظفير)

و زفرو الأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوی وبه نأخذ وفی غرر الأذكار هو المأخوذ به وفی البرهان و هو الأظهر" الخ، وفی الشامی: قوله إلی بلوغ الظل مثلیه، هٰذا ظاهر الروایة عن الإمام (نهایة) وهو الصحیح. (بدایع، ومحیط، وینابیع) وهو المختار (غیاثیة) واختاره الإمام المحبوبی وعول علیه النسفی وصدر الشریعة تصحیح قاسم. واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی: وبقولهما نأخذ لایدل علی أنه المذهب، الخ، ثم قال وقد قال فی البحر لایعدل عن قول الإمام إلی قولهما، الخ". (۱)

پس معلوم ہوا کہ! راجح عند الحنفیہ قول امام اعظم ہے اور وقت ظہر دو مثل تک رہتا ہے، سوائے فیٔ الزوال کے اور وقت عصر کا بعد مثلین کے ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۳/۲-۳۴)

وقت الظهر إلی المثلین (ظہر کا وقت دو مثل تک ہونا)

سوال: ماقولكم فی وقت الظهر عند الحنفية هل هو باقٍ إلی المثلین أو خرج مع ظل واحد، إمامنا أبو حنیفةؒ هل رجع إلیٰ قول صاحبیه یعنی إلی المثل وإلیٰ هذا القول مال وأفتیٰ مولانا الفاضل عبد الحی اللكهنوی رحمه اللّٰه فی مجموع فتاویٰ، فإن رجع، بأی قول یعمل، وماحكم قوم أحناف یصلون عند ختم المثل هل یجوز فإن جاز فبلا كراهة أو معها، وماحكم اقتداء غیر المقلد هل یجوز ترجمة الخطبة بغیر العربی، وبجوازه أفتیٰ بعض علماء مدراس، هل هو بلا كراهة أو معها؟ (۲)

الجواب

قال فی الدر المختار: ووقت الظهر من زواله إلیٰ بلوغ الظل مثلیه وعنه مثله وهو قولهما، الخ.

وفی رد المحتار: (قوله إلیٰ بلوغ الظل مثلیه) هذا ظاهر الروایة عن الإمام (نهایة) وهو الصحیح. (بدایع، ومحیط، وینابیع) وهو المختار (غیاثیة) واختاره الإمام المحبوبی وعول علیه

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۳۳۲، ظفیر

(۲) ترجمہ سوال: ظہر کے انتہائی وقت میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے، حنفیہ کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے یا ایک ہی مثل پر ختم ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول یعنی ایک مثل کی طرف رجوع کیا ہے یا نہیں، اور اسی ایک مثل والے قول کی طرف میلان ہے اور فتویٰ دیا ہے مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں، پس اگر امام صاحبؒ کا رجوع ثابت ہو تو کس قول پر عمل کیا جائے، اور ان حنفی لوگوں کا کیا حکم ہے جو ایک مثل کے ختم پر نماز ظہر پڑھتے ہیں، کیا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کراہت کے ساتھ یا بلا کراہت، اور غیر مقلدین کی اقتداء کا کیا حکم ہے، کیا غیر عربی میں خطبہ کا ترجمہ کرنا جائز ہے، مدراس کے بعض علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے تو کیا وہ بغیر کراہت ہے یا کراہت کے ساتھ ہے؟ انیس

النسفی وصدر الشریعة،تصحیح قاسم.واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی: وبقولهما نأخذ لایدل علی أنه المذهب ومافی الفیض:من أنه یفتیٰ بقولهمافی العصر والعشاء مسلم فی العشاء فقط علیٰ مافیه وتمامه فی البحر،الخ،وفیه أیضاً: قال فی البحر لایعدل عن قول الإمام إلی قولهما أوقول أحدهما إلاللضرورة من ضعف دلیل أوتعامل بخلافه، الخ،وقد قال قبیله:إن الأدلة تکافئت ولم یظهر ضعف دلیل الإمام بل أدلته قویة أیضاً،الخ.(۱)

فالحاصل أن وقت الظهر یبقی إلی المثلین والإمام أبوحنیفةؒ مارجع فی هذا إلیٰ قول الصاحبینؒ بل یرویٰ عنه کقولهما ولکن ظاهرالروایة خلافه فمایؤدیٰ بعد المثل فهوأداء و الأحسن الأحوط مافی السراج عن شیخ الاسلامؒ:أن الاحتیاط أن لایؤخرالظهرإلی المثل وأن لایصلی العصرحتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیاً للصلوٰتین فی وقتهما بالإجماع،الخ.(ردالمحتار)(۲)

وفی اقتداء غیرالمقلد قیل، وقال،تفصیل،وإجمال،فالأحوط ترکه إلا لضرورة داعیة، و ترجمة الخطبة بغیرالعربی مکروهة علی التحقیق صرح به فی المسوّیٰ والمصفّیٰ شرح الموطأ وجوازه بغیرالعربی مختلف فیه فالحذر کل الحذر من الاختلاف فإنه خلاف الاحتیاط.فقط(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۳۶-۳۷)

ظہر کی نماز دومثل پر:

سوال: جونماز ظہر صاحبینؒ کے مفتی بہ مذہب کے خلاف دومثل پر پڑھی جائے کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب

احتیاطاً پہلی مثل میں نماز ظہر ادا کرنی چاہیے اور جونمازیں دوسری مثل میں اداہوئی ہیں ان کے قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔(۴)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، ج:۱،ص:۳۳۲-۳۳۳،ظفیر

(۲) رد المحتار، کتاب الصلوٰة، ج:۱،ص:۳۳۳،ظفیر

(۳) ترجمہ جواب:ظہر کاوقت دومثل تک باقی رہتا ہے جیسا کہ درمختار وشامی کی مندرجہ بالا روایتوں سے معلوم ہوتا ہے،اورامام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع نہیں کیا ہے بلکہ ان سے اسی طرح کی ایک روایت ہے جوظاہر الروایت کے خلاف ہے،لہذا جونماز ایک مثل کے بعد ادا کی جائے وہ بھی ادا ہے،اور بہتر اوراحتیاط وہ طریقہ ہے جوشیخ الاسلامؒ سے سراج میں منقول ہے کہ:ظہر کوایک مثل تک مؤخر نہ کرے اور عصر کودومثل سے پہلے نہ پڑھے تاکہ دونوں نمازوں کی ادائیگی ان کے وقت میں ہو،اور غیر مقلد کی اقتداء میں قیل قال اور کچھ تفصیل واجمال ہے،پس احتیاط اقتداء نہ کرنا ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت درپیش ہوتو گنجائش ہے،اور غیر عربی میں خطبہ کا ترجمہ تحقیقی طور پر مکروہ ہے،اس کی صراحت موطا کی شرح مسویٰ اور مصفیٰ میں کی ہے اور غیر عربی میں اس کا جائز ہونا مختلف فیہ ہے،پس اختلاف سے بچنا ضروری ہے کیونکہ وہ احتیاط کے خلاف ہے۔انیس

(۴) والأحسن مافی السراج عن شیخ الإسلام أن الاحتیاط أن لایؤخرالظهرإلی المثل.(ردالمحتار:۱/۳۵۹)
وفی الکنز:والظهرمن الزوال إلی بلوغ الظل مثلیه سوی الفیء.(کنزالدقائق مع البحرالرائق:۱/۲۴۵)

مکتوبات: ج۴، ص: ۲۱۷۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۳۷)

سایۂ اصلی اور مثلین کا بیان:

سوال: عصر کے وقت اکثر کتابوں میں یہی دیکھا گیا ہے کہ سوائے سایۂ اصلی کے دو مثل سایہ ہو جاوے، تب عصر کا وقت ہوتا ہے، تو ٹھیک اول وقت کو معلوم کرنے کے لئے آسان طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ سایۂ اصلی ہمیشہ کم زیادہ ہوا کرتا ہے، اور روزانہ اصلی سایہ اور عصر کے وقت کا ناپنا بہت ہی دقت و پریشانی ہے، اس لئے دریافت طلب ہے کہ لکڑی سے سایہ ناپا نہ جاوے، اور ٹھیک اول وقت بھی معلوم ہو جاوے، جس طرح سے دوپہر کو آفتاب ڈھل گیا، ظہر کا وقت ہوا آفتاب غروب ہوا، مغرب کا وقت ہوا، اسی طرح کوئی آسان طریقہ بتلا دیں، کیونکہ کئی مرتبہ تجربہ کیا گیا ہے تو اذان بے وقت ہوتی ہے، کبھی جماعت بھی ہوتی ہے، آزمائش سے ٹھیک وقت نہیں ہوتا۔

(۱) سوائے اصلی سایہ کے دو سایہ کا ہونا، یہ قید کا ہونا بارہ ماہ کے لئے ہے یا صرف ایام دھوپ کے لئے ہے بدلیل تحریر فرماویں؟

(۲) اگر یہ قید بارہ ماہ کے لئے ہے تو ایام بارش میں کس طرح سے معلوم کیا جاوے اور گھڑی کا شریعت میں اعتبار نہیں کیا گیا ہے؟

(۳) ابر کے دنوں میں سوائے اصلی سایہ کے دو سایہ کا ہونا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، تو وہ دلیل کس کتاب میں ہے تحریر فرمادیں؟

(۴) ابر میں عصر کی نماز دیر کر کے پڑھنے کا حکم ہے تو کیا حد ہے جو اس حد سے ہم دیر کر کے نماز پڑھیں، حد معلوم کرنے کی پہچان خوب خلاصہ تحریر فرماویں مع دلیل کے۔

الجواب

سایۂ اصلی اور دو مثل کی پہچان کا طریقہ کسی عالم کی زبانی سمجھ لیں، تحریر سے سمجھ میں نہ آئے گا، آسان بات یہ ہے کہ جب دن بہت چھوٹا ہو، اس وقت عصر کی نماز غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے پڑھ لیا کریں اور جب دن بہت بڑا ہو تو غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے عصر پڑھا کریں اور درمیانی دنوں میں ایک گھنٹہ پہلے غروب سے پڑھا کریں، اس طریقہ پر عصر ہمیشہ دو مثل کے بعد ہوا کرے گی، دو مثل کے بعد عصر پڑھنے کا حکم ہر زمانہ میں ہے خواہ ابر ہو یا نہ ہو۔

(امداد الاحکام: ۱۸/۲)

ظہر و جمعہ کا وقت:

سوال: ظہر وجمعہ کی اذان ہمیشہ سوا بارہ بجے اور جماعت ساڑھے بارہ بجے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مختلف موسموں میں حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔ زوال سے پہلے ظہر اور جمعہ کا وقت نہیں ہوتا اور گرمیوں میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے،(۱) اور جمعہ میں ہمیشہ تعجیل مستحب ہے، لیکن اس کا خیال رکھا جاوے کہ وقت ہوجاوے۔ ساڑھے بارہ بجے سے پہلے جمعہ کی اذان نہ کہی جاوے اور ایک بجے جمعہ پڑھا جاوے اور ظہر میں موسم گرما میں تاخیر چاہئے۔(۲)

اذان دو ڈیڑھ بجے اور نماز سوا دو یا اڑھائی بجے پڑھنی چاہئے اور جاڑوں میں ایک ڈیڑھ بجے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۳۴-۳۵)

ظہر اور جمعہ کا وقت:

سوال: ظہر وعصر حضرت امام اعظمؒ کے مذہب مختار کی بموجب کس وقت ادا کرنی چاہئے؟ اول وقت کب ہوتا ہے اور آخر وقت کب ہے؟ اور جمعہ کا وقت کس وقت سے ہوتا ہے اور کب تک ہے؟

الجواب

ظہر کا وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو مثل تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے، پس ظہر کی نماز دو مثل سے پہلے پہلے پڑھنی چاہئے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد مگر بہتر یہ ہے کہ وقت شروع ہوجانے کے بعد زیادہ تاخیر نہ کریں۔ ایک مثل تک ظہر کی نماز پڑھ لیں اور دو مثل کے کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھ لیں۔ جمعہ کا وقت ظہر کی طرح

---

(۱) عن أبی سهیل بن مالک عن أبیه أنه قال کنت أری طنفسة لعقیل بن أبی طالب یوم الجمعة تطرح إلی جدار المسجد الغربی فإذا غشی الطنفسة کلها ظل الجدار، خرج عمر بن الخطاب وصلی الجمعة.(موطأ الإمام مالک باب وقت الجمعة، کتاب وقوت الصلاة (ح:۱۷) انیس)

عن أبی ذر قال: أذن مؤذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالظهر فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أبرد أبرد، أو انتظر انتظر، وقال إن شدة الحر من فیح جهنم فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة، قال أبوذر: حتی رأینا فیء التلول.(الصحیح لمسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب استحباب الإبراد بالظهر فی شدة الحر لمن یمضی إلی جماعة ویناله الحر فی طریقه (ح:۶۱۶) انیس)

(۲) (والمستحب) للرجل (الابتداء) فی الفجر (بإسفار) الخ، (وتأخیر ظهر الصیف) بحیث یمشی فی الظل (مطلقاً) الخ، (وجمعة کظهر أصلاً واستحباباً) فی الزمانین لأنها خلفه.(الدر المختار)

لکن جزم فی الأشباه من فن الأحکام أنه لا یسن لها الإبراد.(ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، ج:۱، ص:۳۴۰، ظفیر)

(۳) (وقت الظهر من زواله) أی میل ذکاء عن کبد السماء (إلیٰ بلوغ الظل مثلیه) الخ،... ==

زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے اور جس وقت تک ظہر کا وقت ہے اسی وقت تک جمعہ کا وقت ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۷)

نمازِ جمعہ وظہر میں وقت کا تفاوت ہے یا نہیں:

سوال: جمعہ کی نماز کا وقت کب سے ہوجاتا ہے، مدراس کے ٹائم کے حساب سے کتنے بجے جمعہ کا وقت ہوجاتا ہے اور زوال کا وقت آج کل کب سے کب تک ہے؟ کیا نمازِ جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں اور ظہر اور جمعہ کا ایک ہی وقت ہے یا کچھ فرق ہے؟

الجواب

ظہر کی نماز کا اور جمعہ کا ایک ہی وقت ہے۔ زوال شمس کے بعد وقت شروع ہوتا ہے اس سے پہلے جمعہ درست نہیں ہے جیسا کہ ظہر بھی درست نہیں ہے۔(۱) یہاں تقریباً مدراس کے ٹائم سے ساڑھے بارہ بجے زوال ہوتا ہے، وہاں کے زوال کا وقت دیکھ لیں، غالباً وہاں بھی اسی کے قریب قریب ہوگا۔ اس کے بعد جمعہ پڑھنا چاہئے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۴۰)

جمعہ اور ظہر کی نماز کے اوقات میں فرق:

سوال: جمعہ کی نماز اور ظہر کی نماز کا وقت ایک ہی ہے یا نہیں اور جمعہ کی نماز ظہر کے وقت سے کچھ پہلے پڑھنا سنت ہے یا دونوں مساوی وقت ہیں۔ مثلاً جو شخص ظہر کی نماز دو بجے پڑھتا ہے اس کو جمعہ کی نماز ایک بجے پڑھنا مستحب ہوگی یا دو ہی بجے؟

الجواب

== (سوی فیء)الزوال-(إلیٰ أن قال)-(ووقت العصرمنه) إلیٰ قبیل (الغروب).(الدر المختار)

قال فی ردالمحتار :أی بلوغ الظل مثلیه علیٰ روایة المتن.

وأیضاً قال: والأحسن مافی السراج :عن شیخ الإسلام:أن الاحتیاط أن لایؤخر الظهرإلی المثل وأن لایصلی العصرحتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیاً للصلاتین فی وقتهما بالإجماع.(رد المحتار، کتاب الصلوٰة،ج:۱،ص:۳۳۲-۳۳۳،مصری)

وأیضًا قال فی الدر المختار :وجمعة کظهر أصلاً واستحباباً فی الزمانین.

وقال فی ردالمحتار :أی الشتاء والصیف.(ج:۱،ص:۳٤۰،سعید)

(۱) (وجمعة کظهر أصلاً واستحباباً)فی الزمانین لأنها خلفه.(الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلوٰة،ج:۱،ص:۳٤۰،ظفیر)

(۲) (وجمعة کظهر أصلاً واستحباباً) فی الزمانین لأنها خلفه.(الدر المختار) ==

جمعہ وظہر کا وقت ایک ہے مگر جمعہ کو ذرا پہلے پڑھنا کہ لوگ سویرے سے آئے ہیں، ان کو جلد فراغت ہو جائے تو بہتر ہے۔(۲) فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۵۳)☆

جمعہ کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے:

سوال: جمعہ کی نماز کا وقت کتنے بجے شروع ہوتا ہے اور کتنے بجے تک رہتا ہے، جمعہ کی نماز کس وقت تک ادا کی جا سکتی ہے شریعت محمدیہ کے احکام سے روشناس کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، یعنی اس کی ابتدا زوال کے بعد سے ہوتی ہے اور آخر وقت امام اعظم کے

== ... لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لايسن لهاالإبراد.(ردالمحتار، كتاب الصلاة بعدمطلب في طلوع الشمس من مغربها: ٣٦٧/١،دار الفكر بيروت)

☆ ملفوظ متعلق اوقات صلاۃ:

نماز پڑھنے میں گھنٹہ کا اعتبار نہیں۔(عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:إنا أمة أمية لانكتب ولانحسب، الشهر هكذاوهكذايعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين.(الصحيح للبخاري (ح: ١٣١٩)/ الصحيح لمسلم،باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال (ح: ١٠٨٠)

... فإنه يدل على أن معرفة الشهر ليست إلى الكتاب والحساب كمايزعمه أهل النجوم وللإجماع على عدم الاعتداد بقول المنجمين.(مرقاة المفاتيح،باب رؤية الهلال: ١٣٧٢/٤)

قال في التوضيح:وروى ابن نافع عن مالك في الإمام الذى يعتمدالحساب أنه لايقتدىٰ به ولايتبع.(مواهب الجليل في مختصرخليل.باب مايثبت به رمضان: ٣٨٧/٢.انيس)

بعد زوال شمس سایہ اصلی چھوڑ کر ایک مثل کے اندر جمعہ یا ظہر پڑھ لینی چاہیے اور سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل کے بعد بروایت مفتیٰ بہ وقت نماز عصر ہو جاتا ہے اور رجوع امام صاحب کا حال پھر پوچھنا عصر کی نماز بعد ایک مثل کے ہو جاتی ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔ ہم نے استادوں سے یہی سنا ہے کہ ہزار روزہ کی کچھ اصل نہیں اور سب نفل روزوں کے برابر ہے۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

العبد عبدالرحمٰن، بقلم عبدالسلام غفرلہم

شعبان ۱۳۱۳ھ، یوم شنبہ۔ از پانی پت۔ عبدالسلام عفی عنہ کا سلام مسنون۔ (تالیفات رشیدیہ:۲۵۸)

(۱) (و)الثالث(وقت الظهر فتبطل) الجمعة (بخروجه)مطلقًا.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة،باب الجمعة: ١٨/٣)

(ووقت الظهرمن زواله)... (إلىٰ بلوغ الظل مثليه).(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ١٤/٢)

نزدیک اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
عبدالصمد رحمانی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۰۰/۲)

ڈھائی بجے دن تک جمعہ کا وقت رہتا ہے یا نہیں:

سوال: جمعہ کا وقت اڑھائی بجے رہتا ہے یا نہیں، پنجاب کے اکثر مسلمان معترض ہیں کہ اڑھائی بجے کا وقت صحیح نہیں۔

الجواب

جمعہ کا وقت مثل ظہر کے ہے، زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور ایک مثل یا دو مثل تک علی اختلاف القولین باقی رہتا ہے۔ لیکن جمعہ میں تعجیل یعنی جلدی پڑھنا مستحب اور بہتر ہے، مثل ریلوے ٹائم سے ساڑھے بارہ بجے زوال آفتاب ہوتا ہے تو ایک بجے یا ڈیڑھ بجے تک یا کچھ کم وبیش نمازِ جمعہ ادا کر لینی چاہئے، لیکن اڑھائی بجے تک بھی وقت رہتا ہے۔ البتہ قصداً اس قدر تاخیر پسندیدہ اور مشروع نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۰/۲-۴۱)

نماز ظہر ڈیڑھ بجے پڑھنی چاہیے یا دو، اڑھائی بجے:

سوال: جو شخص جماعت کی نماز چھوڑ دے اور کہے کہ یہ اولیٰ وقت میں ہے اور دیر سے نماز پڑھے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ہماری مسجد میں ظہر ڈیڑھ بجے ہوتی ہے، سارے مقتدی اسی وقت نماز ادا کرتے ہیں، جب کہ ایک صاحب دو یا ڈھائی بجے آ کر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولیٰ وقت یہی ہے۔ اس بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب

---

(۱) (وجمعة كظهر أصلاً واستحباباً) في الزمانين لأنها خلفه. (الدر المختار، كتاب الصلاة)

قوله: أصلاً أي من جهة أصل وقت الجواز وماوقع في آخره من الخلاف، قوله: (استحباباً في الزمانين) أي الشتاء والصيف لكن جزم في الأشباه في فن الأحكام: أنه لايسن لها الابراد، الخ وقال الجمهور: ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفضٍ إلى الحرج ولا كذلك الظهر. (ردالمحتار: كتاب الصلوٰة، كتاب الصلوٰة، بعد مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ٣٤٠/١)

(۲) عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلوٰة، فإن شدة الحر من فيح جهنم. (سنن الترمذي: ٢٣/١، باب ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحر، طبع دهلي)

☆ ظہر کا وقت ایک بیس ہی پر کیوں:

سوال: ہمارے محلے میں ایک مسجد ہے، جس میں ظہر کی نماز گزشتہ دس سال سے ایک بج کر بیس منٹ پر ہوتی ہے، کیا یہ ظہر کا وقت ٹھیک ہے یا اس میں ردّ وبدل کرنا چاہیے؟ ==

نماز صحیح وقت پر پڑھنی چاہیے، عام طور پر ڈیڑھ بجے ظہر پڑھی جاتی ہے، گرمیوں کے موسم میں کچھ تاخیر کرکے پڑھ لینا چاہیے۔(۲) واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۱۰/۳) ☆

نمازِ ظہر دوسرے مثل میں:

سوال: دیدہ ودانستہ نمازِ ظہر دوسرے مثل میں ہمیشہ ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

فی الشامی عن الطحطاوی عن الحموی عن الخزانة:" الوقت المکروہ فی الظھر أن یدخل فی حد الاختلاف وإذا أخرہ حتی صار ظل کل شیء مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف".(۳)

پس معلوم ہوا کہ ظہر میں اس قدر تاخیر کرنا کہ حد اختلاف میں داخل ہوجاوے یعنی سایہ ایک مثل ہوجاوے تو یہ مکروہ ہے۔
وفیه قبیله:

== الجواب ــــــــــــــــــ

زوال کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخرًا ... وإن أوّل وقت صلاة الظھر حین تزول الشمس، وآخر وقتھا حین یدخل وقت العصر.(جامع الترمذی،أبواب الصلاة: ۳۹/۱ طبع سعید)

أیضاً: ووقت الظھر من زواله: أی میل ذکاء عن کبد السماء إلی بلوغ الظل مثلیه وعنه مثله ... سوی فیء الزوال.(الدر المختار،کتاب الصلاة: ۴۲۵/۱،طبع رشیدیة)

سردیوں کے موسم میں ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں ذرا تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔(وطریق معرفة زوال الشمس وفیء الزوال أن تغرز خشبة مستویة فی أرض مستویة فما دام الظل فی الانتقاص فالشمس فی حد الارتفاع وإذا أخذ الظل فی الإزدیاد علم أن الشمس قد زالت فاجعل علی رأس الظل علامة فمن موضع العلامة إلی الخشبة یکون فیء الزوال فإذا ازداد علی ذلک وصارت الزیادة مثلی ظل أصل العود سوی فیء الزوال...الخ.(الفتاویٰ الھندیة: ۵۱/۱،کتاب الصلاة،الباب الأوّل فی المواقیت وما یتصل بھا))

اگر آپ کی مسجد میں نمازیوں کی مصلحت سے نماز ایک بیس پر ہوتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر گرمیوں کے موسم میں اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو تاخیر سے پڑھنی چاہئے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۰۹/۳)

(۳) ردالمحتار،کتاب الصلوٰة،ج:۱،ص:۳۴۰،ظفیر
(کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،مدخل: ۱۸۲/۱.انیس)

(۴) ردالمحتار،کتاب الصلوٰة: ۳۳۳/۱،ظفیر
(کذا فی الجوھرة النیرة،کتاب الصلاة: ۴۱/۱،البحر الرائق،وقت صلاة الظھر: ۲۵۸/۱،انیس)

والأحسن مافی السراج عن شیخ الإسلام: أن الاحتیاط أن لایؤخر الظهر إلی المثل وأن لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین. الخ. (۴) **فقط** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۹/۲-۵۰)

نماز ظہر کا وقت عند الاحناف کیا ہے:

سوال: امام ابوحنیفہؒ است کہ نزد وے وقت ظہر بجز فئ اصلی دو مثل است ثبوت ایں باحادیث صحیحہ ارقام فرمایند؟ (۱)

الجواب

علامہ شامیؒ گفتہ:

إن الأدلة تكافئت ولم یظهر ضعف دلیل الإمام بل أدلته قویة أیضاً کمایعلم من مراجعة المطولات وشرح المنیة، الخ. (۲)

أقول: وقداستدل شارح المنیة لقول الإمام بحدیثین صحیحین حیث قال: وله حدیث أبی هریرةؓ عنه علیه الصلوة والسلام: إذااشتدالحر فأبردوا بالصلوة فان شدة الحر من فیح جهنم. (رواه الستة)

وعن أبی ذرؓ قال: کنا مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فأراد المؤذن أن یؤذن فقال له: أبرد، ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد، حتی ساوی الظل التلول، فقال النبی صلی اللّٰه علیه

---

(۱) خلاصہ سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل تک ہے، اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے کیا ہے، واضح فرمائیں؟ انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلوة، ج: ۱، ص: ۳۳۳، ظفیر

(۳) غنیة المستملی، ص: ۲۲۶، ظفیر
والحدیث فی صحیح البخاری، باب الإبراد بالظهر فی السفر (ح: ۵۳۹) انیس

(۴) شارح منیہ لکھتے ہیں:

وجه الاستدلال بالحدیث الأول: أن شدة الحر فی دیارهم اذاکان ظل الشیء مثله وبالثانی بأنه صرح بأن الظل قد ساوی التلول ولاقدریدرک لفئ الزوال ذلک الزمان فی دیارهم فثبت أنه علیه الصلوة والسلام صلی الظهر حین صار ظل الشئ مثله. (غنیة المستملی، ص: ۲۲۶، ظفیر)

خلاصہ جواب: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دو مثل تک ظہر کا وقت رہنے پر دلائل بہت ہیں، اور امام صاحب کی دلیل کا ضعف ظاہر نہیں ہے بلکہ ان کے دلائل بھی قوی ہیں جیسا کہ شرح منیہ وغیرہ بڑی کتابوں کی مراجعت سے معلوم ہوتا ہے، اور شارح منیہؒ نے امام صاحب کے قول کے لئے دو صحیح حدیثوں سے استدلال کیا ہے، جس میں ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے ''إذااشتدالحر الخ'' جو صحاح ستہ میں ہے، اور دوسری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''قال کنا مع النبی صلی اللّٰه علیه، الخ'' جو بخاری میں ہے، پھر شارح منیہؒ نے دونوں حدیثوں سے استدلال کی وجہ کو بیان کیا ہے۔ انیس

وسلم: إن شدة الحر من فيح جهنم. (رواه البخاري) (۳)

ثم بين وجه الإستدلال بالحديثين فراجعه. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۵۵-۵۶)

وقت ظہر کی تحقیق:

سوال: جناب کا جواب ملفوف آیا، مگر جواب کافی نہ ہونے سے خلجان قائم رہا، بندہ نے دریافت کیا تھا کہ حدیث ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ مرویۃ موطا امام محمدؒ (۱) " **صل الظهر إذا كان ظلك مثلك بصراحة النص مثبت إلى المثلين** " وقت ظہر ہے یا نہیں؟ آپ نے ایضاح الادلہ کے حوالہ پر موقوف کردیا۔ لہٰذا ایضاح الادلہ میں دیکھا تو حدیث مذکور کی دلالت مفہوم نص یعنی دلالۃ النص بقاء وقت ظہر بعد مثل پر بتائی گئی ہے، چنانچہ عبارت بجنسہ یہ ہے، (ص: ۱۳۳): " **صل الظهر إذا كان ظلك مثلك** " جس سے بشرط انصاف یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بعد مثل بھی وقت ظہر باقی رہتا ہے۔ انتہیٰ (صفحہ: ۱۳۴) مگر تحدید وقت ظہر مثلین تک حدیث مذکور سے نہیں نکلتی۔ (صفحہ: ۱۳۸)

صلوٰۃ ظہر اس کا وقت یقینی گو ایک مثل تک ہے لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ سے کسی کو صلوٰۃ مذکور کا وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہئے کہ مابین مثلین اسکو ادا کرے، کیونکہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے۔ (صفحہ: ۱۴۶) یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے۔ اور جیسا بقاء وقت ظہر مثل تک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تک وقت ظہر باقی رہتا ہے بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تک ہے۔ (صفحہ: ۱۴۷) ہم نہیں کہتے کہ یہ مذہب ٹھیک نہیں، ہم تو خود اس قول کی صحت کے مقر ہیں۔ (صفحہ: ۱۴۷) روایت حضرت ابوہریرۃ وابوذر رضی اللہ عنہما وغیرہما احادیث متعددہ سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ وقت ظہر میں زیادتی کی گئی اور نیز مولانا مدظلہ درس تقریر ترمذی منقولہ مولوی اصغر حسین میں فرماتے ہیں ان احادیث سے صراحت نہیں نکلتی بخلاف حدیث جبرئیل کے کہ وہ مصرح ہے۔ لہٰذا عمدہ یہ ہے کہ وقت ایک ہی مثل تک ہے اور نیز مولانا تھانویؒ الاقتصاد، صفحہ: ۱۷، میں فرماتے ہیں: حدیث ابوذرؓ اس سے ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد وقت باقی رہتا ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ مکاتیب رشیدیہ، صفحہ/۲۲، میں بنام مولوی صدیق احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے۔ روایت حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں۔

اور فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ/۱۴، میں الجواب اس عبارت بستان المحدثین اور تفسیر مظہری سے قطعیۃ اور نفی صراحۃً مثلین ہوتی ہے۔

---

(۱) موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی، وقوت الصلاة (ح: ۱) انیس

لہٰذا مذہب مثلین مرجوح ہے اور ایک قوی اور معمول بہ اکثر فقہا ہے اور نیز نواب قطب الدین خان صاحب مرحوم تنویرالحق میں تحت حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا وقت ظہر کا دو مثل تک، دلالۃً۔ انتہیٰ

اور مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری انتصار الحق میں فرماتے ہیں اور اس کلام حضرت ثناء اللہ پانی پتی " **وأما آخر وقت الظهر فلم يوجد في حديث صحيح ولا ضعيف أنه لا يبقى بعد ظل كل شيء مثله ولهذا خالف أبا حنيفةؒ في هذه المسئلة صاحباه ووافقهما الجمهور**" کے اگر یہ معنیٰ ہیں صراحۃً یہ لفظ کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر باقی رہتا ہے تو مسلم ہے اور ہم کو مضر نہیں۔ اس لئے صراحۃً مذکور نہ ہونا واسطے ثبوت کے نہ ضروری ہے، نہ ہمارا مدعا ہے۔

اور مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم "**التعليق الممجد على مؤطا امام محمد**ؒ" میں فرماتے ہیں:

"**والإنصاف في هذا المقام أن أحاديث المثل صريحة صحيحة وأخبار المثلين ليست صريحة في أنه لايدخل وقت العصر إلى المثلين. انتهى**"(۱)

حاصل یہ کہ حضرات اکابر کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ و نیز کوئی حدیث در بارۂ مثلین وقت ظہر میں بصراحۃ النص نہیں ہے۔ اگرچہ طرق ثلاثہ اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص سے حضرات فقہاء نے استشہاد واستنباط فرمایا ہے اور یہی توجیہ کلام حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ منقولہ مکاتیب رشیدیہ صفحہ:۲۲ کہ دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں اور منقولہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۹۴ رقطعیت اور نفی صراحۃً مثلین ہوتی ہے۔ لہٰذا قول زید کا کہ حدیث مذکورہ در بارۂ توقیت ظہر الی المثلین بصراحۃ النص ہے، آپ کے نزدیک و نیز حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدظلہ العالی کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ: ۶۴ رسوالات عشرہ کے جوابات: ۹ر میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ مسئلہ: ۹ر بخاریؒ نے روایت کی ہے:

"**عن أبي ذر رضي الله عنه قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فأراد المؤذن أن يؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له: أبرد حتى ساوى الظل التلول**".(۲)

سنو کہ ٹیلوں کا سایہ جب مساوی ٹیلوں کے ہوتا ہے کہ ایک مثل سے بہت زیادہ ہو جاوے، جس کا دل چاہے

(۱) التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد بن الحسن الشيباني، باب وقوت الصلاة: ۱/۱۶۵. انیس
(۲) الصحيح للبخاري كتاب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في السفر (ح: ۵۱۴) انیس

مشاہدہ کر لیوے۔ تو اگر بعد ایک مثل کے وقت باقی تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں نماز پڑھی، یعنی ظہر کا وقت باقی تھا تو آپ نے بعد ایک مثل کے نماز پڑھی۔

بعد اس روایت صحیح کے طعن کرنا جہالت ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے تو پھر دیگر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ وقت عصر کے داخل ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور درمیان میں کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ لہٰذا دو مثل تک ظہر کا وقت باقی رہنا محقق اور بعد اس کے کہ حدیث بخاری سے ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد رہنا معلوم ہوا۔ یہ سوال کرنا کہ یہ ثبوت صراحۃً ہے یا دلالۃً یا اشارۃً، لاطائل ہے کیونکہ مفید وجوب سب ہیں، دلالۃً اور اشارۃً جو امر کسی نص سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی ویسا ہی ہے جیسا صراحۃً ثابت ہو۔ دیکھئے ضرب وشتم والدین کی جو آیت ''وَ لَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ'' (۱) سے دلالۃً ثابت ہے، حرمت ویسی ہے جیسے اف کہنا یا اس سے بھی زیادہ۔ پس یہ تحقیق کرنا کہ یہ ثبوت صراحۃً ہے یا دلالۃً الخ، لاطائل ہوا۔ باقی سب اقوال وعبارات وروایات اس مسئلہ کے متعلق آپ کے پیش نظر ہی ہیں۔ بار بار اسکے چھیڑنے کی کیا حاجت ہے۔ اس قدر سمجھ لیجئے کہ یہ مسئلہ ثابت ہے اور طعن اس پر جہالت ہے۔ **کما قال المحقق الغنغوهي قدس سره العزيز فقط والله تعالىٰ أعلم** (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۵۷-۶۰)

ظہر کا صحیح وقت:

سوال: وقت ظہر مثلین تک رہتا ہے یا نہیں؟ مذہب مفتیٰ بہ میں اگر نہیں رہتا تو جو ظہر مثلین میں پڑھے تو قضا پڑھے یا ادا اور بعد مثل کے عصر اگر پڑھے تو ہوگی یا نہیں اور سایہ اصلی کی پہچان خلاصہ طور پر ایسے قاعدہ کلیہ سے کہ ہر جگہ وہ قاعدہ دل نشیں ہو ارقام فرماویں۔

الجواب

(۱) سورة الإسراء: ۲۳

(۲) (وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس وآخر وقتها عند أبي حنيفة إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال) قال في الينابيع: وهذه رواية محمد، وهو الصحيح عند أبي حنيفة واختاره برهان الشريعة المحبوبي، وعول إليه النسفي، ووافقه صدر الشريعة، ورجح دليله وفي الغياثية: وأول وقت العصر كل شيء مثليه وهو المختار. الخ. (كتاب التصحيح والترجيح على كتاب مختصر القدوري، أول كتاب الصلاة: ۱/۱۵۳، دار الكتب العلمية. انيس)

كذا في ردالمحتار كتاب الصلوٰة: ۱/۳٦۹، دار الفكر بيروت. انيس

(۳) فيء الزوال: الظل الذى يكون بعد منتصف النهار جهة الغرب. / الفيء: ما بعد الزوال من الظل. (معجم ديوان الأدب، ومن المضاعف: ۴/۱۴۷)...

==

ظہر میں دونوں قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے، جس پر عمل کرلے گا درست ہے، (۲) اور سایہ اصلی (۳) کا ایسا قاعدہ جو ہر جگہ موافق ومطابق ہو مجھے معلوم نہیں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۳-۲۵۴) ☆

ظہر کا وقت گرمیوں میں کیا ہے:

سوال: آج کل گرمیوں میں ظہر کا وقت کتنے بجے ہوتا ہے، ہماری مسجد میں سوا دو بجے ظہر کی نماز ہوتی ہے، جیٹھ، اساڑھ میں ظہر کی جماعت کتنے بجے ہونی چاہئے؟

== الفيء لايسمى فيئاً إلابعد الزوال إذافاء ت الشمس، أى إذارجعت إلى الجانب الغربى فمافاء ت منه الشمس وبقى ظلاًفهوفيء والفيء شرقى الظل غربى وإنمايدعى الظل من أول النهارإلى الزوال ثم يدعى فيئا بعدالزوال إلى الليل. (تهذيب اللغة، باب الظاء واللام: ١٤/ ٢٥٦) انيس)

☆ ملفوظ متعلق وقت ظہر:

مثل اول اور سایہ اصلی متفق علیہ ہے، اور سارا وقت کامل ہے۔ کچھ نقصان اس میں نہیں تو سارے وقت میں نماز ظہر بلا کراہت تنزیہ ادا ہوتی ہے، لازم ہے کہ اس وقت میں فارغ ہولیوے۔ (والثانى وقت الظهر وأول وقته بعد الزوال بلاخلاف ،وآخروقته إلى أن يصيرظل كل شيء مثله فى قول أبى يوسف ومحمد وأبى عبدالله، وفى قول أبى حنيفة أن يصيرظل كل شيء مثليه. (النتف فى الفتاوىٰ، كتاب الصلاة: ٣٨، دارالكتب العلمية. انيس)

(وأول وقت الظهرإذازالت الشمس وآخروقتهاعند أبى حنيفة إذاصارظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال) قال فى الينابيع: وهذه رواية محمد، وهوالصحيح عند أبى حنيفة واختاره برهان الشريعةالمحبوبى، وعول إليه النسفى، ووافقه صدرالشريعة، ورجح دليله وفى الغياثية: وأول وقت العصركل شيء مثليه وهوالمختار. الخ. (كتاب التصحيح والترجيح على كتاب مختصرالقدورى، أول كتاب الصلاة: ١٥٣/١، دارالكتب العلمية. انيس))

مثل اول کا نصف ثانی مکروہ ہونا کسی نے نہیں لکھا اور جب سایۂ اصلی اور مثل اول نکل گیا تو وقت مختلف فیہ آ گیا، ایسے میں نماز ہرگز نہ ادا کرے۔ پس بہتر یہ ہے کہ اول مثل میں فارغ ہوجاوے۔ (والأحسن مافى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخرالظهرإلى المثل وأن لايصلى العصرحتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياللصلاتين فى وقتهما بالإجماع. ٥١. (اللباب فى شرح الكتاب، كتاب الصلاة: ٥٦/١. انيس)

ابراد کے واسطے قدر ایک نصف مثل اول کے کافی ہے۔ باقی قید گھنٹہ کی اول تو گھنٹہ ہر موسم کا مختلف ہے۔ دوسرے بندہ نے اس کا حساب بھی نہیں کیا۔ اپنا عمل درآمد یہ ہے کہ جاڑے میں ایک بجے کے قریب فارغ ہوتے ہیں اور اس موسم میں دو بجے دن کے فارغ ہوتے ہیں۔ پس ایسا ہی آپ مقرر کردیویں اور غوغائے عوام پر خیال نہ فرماویں کہ ان کی اطاعت میں ہرگز انتظام نماز جماعت کا نہ ہووے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

برادر عزیز مولوی محمد صدیق صاحب مدفیوضہم السلام علیکم! وقت مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے۔ روایات حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے۔ دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں، بناء علیہ ایک مثل پر عصر ہوجاتی ہے گو احتیاط دوسری روایت میں ہے۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۹)

(۱) ووقت الظهرمن زواله. (تنويرالابصارمتن الدرالمختار، كتاب الصلوٰة: ٣٥٩/١، دارالفكربيروت. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

جاڑوں اور گرمیوں میں ہر ایک موسم میں ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے، (۱) اور زوال آفتاب قریب ساڑھے بارہ بجے کے ہوتا ہے۔ پس ظہر کا وقت ساڑھے بارہ سے تین بجے کے بعد تک رہتا ہے، جیٹھ اور اساڑھ (مئی وجون) میں اور بھی دیر تک رہے گا۔

الحاصل ظہر کا وقت تو ایک بجے سے بھی کچھ پہلے ہی سے ہو جاتا ہے، مگر گرمیوں میں حکم دیر میں پڑھنے کا ہے، یعنی تاخیر کرنا ظہر کا مستحب ہے۔ (۱) دو بجے سے تین بجے تک آج کل ظہر کا اچھا وقت ہے۔ اڑھائی بجے یا پونے تین بجے یا تین بجے تک ریلوے ٹائم سے ظہر پڑھیں تو یہ اچھا وقت ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور سوا دو بجے اور اڑھائی بجے بھی اچھا وقت ہے۔ الغرض دو بجے سے تین بجے تک سب اچھا وقت ہے، جس وقت چاہیں نماز پڑھیں، جھگڑا کرنے کی کچھ بات نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۶۵-۶۶)

موسم گرما میں نماز ظہر کا وقت:

سوال: گرمیوں کے موسم میں ظہر کی نماز کا مستحب وقت کونسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم گرما میں کس وقت ظہر کی نماز پڑھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

واضح ہو کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں ایسے وقت پڑھنا مستحب ہے کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظہر کو گرمی میں مؤخر کر کے پڑھتے تھے اور آپ نے مؤخر کرنے کا حکم بھی فرمایا۔

بخاری میں ابو ہریرہ وابن عمرؓ سے روایت ہے:

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة فإن شدة الحر من فيح جهنم. (بخاری شریف جلد:۱)(۲)

---

(۱) ردالمحتار كتاب الصلوٰة: ۱/۳۶۶، دار الفكر بيروت

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة فإن شدة الحر من فيح جهنم. (سنن الدارمي، باب الإبراد بالظهر (ح: ۱۳۴۱)/موطأ الإمام مالك، باب النهي عن الصلاة بالهاجرة، عن عطاء بن يسار (ح: ۲۷)/وعن أبي هريرة (ح: ۲۸) والبخاري في الصحيح عن أبي هريرة وعبد الله بن عمر، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (ح: ۵۳۳) وعن أبي ذر (ح: ۵۳۵)/ومسلم في صحيحه، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر (ح: ۶۱۵) انيس)

(۲) الصحيح للبخاري كتاب مواقيت الصلوٰة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (ح: ۵۱۰) انيس

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے (یعنی اس لپٹ سے بچنا چاہیے)۔

وعن أبی سعید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فیح جهنم". (رواہ البخاری، ج: ۱)(۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے۔

وعن أبی ذر قال: أذن مؤذن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الظهر فقال: أبرد أبرد أو قال انتظر انتظر، وقال: شدة الحر من فیح جهنم فإذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلوٰة حتی رأینا فیء التلول". (رواہ البخاری، ج: ۱)(۲)

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کر ٹھنڈا کر، یا فرمایا، انتظار کر، انتظار کر اور فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے، تو جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کیا کرو ،ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ اسی طرح آپ نے اتنی تاخیر فرمائی کہ ہم نے ریگ کے تودوں کا سایہ دیکھ لیا۔

قسطلانی شرح بخاری میں ہے کہ تلول اس کو کہتے ہیں کہ زمین پر ریگ، مٹی وغیرہ جمع ہو جاوے اور بچھی ہوئی سی ہوتی ہے، اکثر بلند نہیں ہوتی اور اس کا سایہ تاوقتیکہ ظہر کے وقت کا اکثر حصہ نہ گزر جائے نہیں ظاہر ہوتا۔(۳)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز شدت گرما کے زمانے میں مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے، امام بخاریؒ نے بھی اسی لئے باب اس طرح منعقد کیا ہے: "**باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر**" اور پھر ان حدیثوں کو لا کر گویا ترجمہ کو اچھی طرح ثابت کر دیا۔ اسی واسطے ہمارے فقہاء حنفیہ نے گرمی میں تاخیر ظہر کو مستحب کہا ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویستحب الإبراد بالظهر فی الصیف. (۴)

(۱) کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر (ح: ۵۳۸) انیس

(۲) کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر (ح: ۵۱۱) انیس

(۳) والتلول جمع تل بفتح المثناة وتشدید اللام: کل ما اجتمع علی الأرض من تراب أو رمل أو نحو ذلک، وهی فی الغالب منبطحة غیر شاخصة فلا یظهر لها ظل إلا إذا ذهب أکثر وقت الظهر. (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب الإبراد بالظهر فی السفر (ح: ۵۱۴) انیس)

(۴) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوٰۃ: ۲۰۹/۱، انیس

(۵) الدر المختار علی صدر رد المحتار: ۳۶۶/۱، دار الفکر بیروت. انیس

(و) یستحب (تأخیر ظهر الصیف للإبراد). (درر الحکام شرح غرر الحکام، وقت التراویح: ۵۲/۱. انیس)

درمختار میں ہے:

والمستحب تأخير ظهر الصيف. (۵)

اسی طرح اور بھی کتب فقہ میں ہے اور تاخیر کی حد یہ ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے، جب تک ایک مثل سایہ نہ ہو تاخیر کا اختیار رہے اور بخاری کی روایت فئ التلول اس کی مؤید ہے۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح: خادم حسن عفی عنہ، مدرس مدرسہ عبد الرب۔ محمد وصیت علی، مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی۔ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد ابراہیم دہلوی (واعظ) (کفایت المفتی: ۳۶/۳-۳۷) ☆

ظہر کا وقت ایک مثل تک رہنے سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کیا یا نہیں:

سوال: رجوع امام صاحبؒ بمذہب ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ ایک مثل ظہر ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

رجوع امام صاحب رحمہ اللہ کا بندہ کو معلوم نہیں، بلکہ خود امام صاحب رحمہ اللہ کی روایت اس باب میں موجود ہے اور یہی مذہب صاحبین کا ہے۔ لہذا یہ مذہب قوی ہے، مگر رجوع کی روایت بندہ کو معلوم نہیں۔ (۱)

☆ موسم گرما میں ظہر کا آخری وقت:

سوال: موسم گرما مثلاً آج کل کی گرمی میں ظہر کی نماز کی ادائیگی کا وقتِ آخر کیا ہے؟

الجواب

ظہر کا وقت صاحبینؒ کے نزدیک ایک مثل کے ختم ہونے تک ہے اور امام صاحبؒ کی ظاہر روایت میں دو مثل کے ختم ہونے تک، یہ وقت چونکہ بدلتا رہتا ہے اس لیے مساجد میں جو نقشہ اوقات لگا رہتا ہے اس میں ہر دن کا وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ ((وقت الظهر من زواله) ... (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما. (الدر المختار)

(قوله: إلى بلوغ الظل مثليه): هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح. بدائع. (ردالمحتار: ۳۵۹/۱، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة) كذا في بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، فصل شرائط أركان الصلاة: ۱۲۲/۱. انیس) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۰۹/۳-۲۱۰)

(۱) (والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثليه سوى الفيء) أي وقت الظهر... وأما آخره ففيه روايتان عن أبي حنيفة: الأولى رواها محمد عنه ما في الكتاب، والثانية رواية الحسن: إذا صار ظل كل شئ مثله سوى الفيء وهو قولهما. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلوٰة: ۲۴۵/۱. انیس)

وروى الحسن عن أبي حنيفة أن آخر وقتها إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال وهو قول أبي يوسف ومحمد وزفر والحسن والشافعي. (بدائع الصنائع، فصل شرائط أركان الصلاة: ۱۲۲/۱. انیس)

لہذا اگر حنفی ایک مثل پر عمل کرے تو حرج نہیں، اگر چہ احوط عصر کا بعد دو مثل کے اور ظہر کا قبل ایک مثل کے پڑھنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۵۴)

ظہر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنا خلاف استحباب اور خلاف احتیاط ہے:

سوال: ایک مسئلہ ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شدید سردیوں میں مثل ثانی سوا دو بجے شروع ہو جاتی ہے اور اس پر کچھ حوالہ جات بھی درج ہیں، نیز سائل نے مثل ثانی میں نماز پڑھنے کو خلاف استحباب ثابت کیا ہے۔ جناب حضرت مفتی صاحب نے یوں جواب تحریر فرمایا ہے، آپ صاحبان اپنی رائے سے تشفی فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(السائل: شیر محمد......۱۲/۱۰/۱۹۷۸ء)

الجواب

یہ عبارات محولہ درست ہیں ان عبارات کی بنا پر مثل ثانی میں نماز پڑھنا خلاف استحباب اور خلاف احتیاط ہے، البتہ ڈھائی بجے مثل ثانی کا داخل ہونا قابل غور ہے، نیز گرمی اور سردی کے موسموں میں فرق فیئ الزوال میں ہوتا ہے نہ کہ سایۂ زائدہ میں۔ (۱) **فافهم** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۶۴)

مثل ثانی تک تاخیر ظہر میں کراہت کی تحقیق:

سوال: ہمارے فوجی ملازمین کو سردیوں میں دو بجے چھٹی ہوتی ہے، مثل اول میں جماعت کے لئے پہنچنا دشوار ہے، امام صاحب غیر ڈیوٹی والے نمازیوں کے ساتھ مثل اول میں نماز پڑھ لیتے ہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ ظہر کا وقت اگر چہ مثلین تک بروایت مشہور رہتا ہے، لیکن مثل اول میں نماز پڑھنا بوجوہ مندرجہ ذیل ضروری ہے۔

(۱) سردیوں میں تعجیل مستحب ہے جو کہ مثل اول کا نصف اول ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص:۱۵۱، وکفایہ شرح ہدایہ ص ۴۵)

(۲) مثل ثانی وقت مختلف فیہ ہے حتی کہ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یہ وقت مہمل ہے۔ (کبیری، ص:۲۲۵، ج ۱۔ شامی ص ۲۵۱، کفایہ ص ۴۵، وغیرہا)

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم: (والظهر من الزوال إلىٰ بلوغ الظل مثليه سوى الفيئ) أى وقت الظهر أما أوله فمجمع عليه لقوله تعالىٰ: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ﴾ أى لزوالها وقيل لغروبها واللام للتأقيت ذكره البيضاوى، وأما آخره ففيه روايتان عن أبى حنيفة، الأولىٰ رواها محمد عنه ما فى الكتاب، والثانية رواية الحسن، إذا صار ظل كل شئ مثله سوى الفيئ وهو قولهما والأولىٰ قول أبى حنيفة. قال فى البدائع: انها المذكورة فى الأصل وهو الصحيح وفى النهاية أنها ظاهر الرواية عن أبى حنيفة وفى غاية البيان وبها أخذ أبو حنيفة وهو المشهور عنه وفى المحيط والصحيح قول أبى حنيفة وفى الينابيع وهو الصحيح عن أبى حنيفة وفى تصحيح القدورى للعلامة قاسم أن برهان الشريعة المحبوبى اختاره وعول عليه النسفى ووافقه صدر الشريعة ورجح دليله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۲٤٥/۱)

نیز رجوع الی المثل ثابت ہے۔جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی،ص:۲۳۹،ج:۱،میں ہے:

نعم هو ثابت بتصريح جمع من الفقهاء،الخ.

اور فیض الباری شرح بخاری،ص:۹۴،ج:۲،میں ہے:

رجوع الإمام إلى هذه الرواية،الخ.

اور موطا امام محمد میں بین السطور،ص:۴۵ میں ہے:

قدذكر جمع من الفقهاء رجوعه منه إلى المثل.

(۳) کتب ظاہر الروایۃ میں ظہر کے آخر وقت کی روایت نہیں ملتی۔

وفى البدائع،ص: ١٢٢،ج: ١:إن آخر الوقت لم يذكر فى ظاهر الرواية فإذاخلت هذه الكتب الستة عن ذكر آخر الوقت،علم أنه لم يجيء فى ظاهر الرواية،الخ. (فيض البارى،ص: ١٢٢،ج:٦)

(۴) نورالایضاح میں ہے:

مع مراعاة الوقت المستحب،الخ.وفى الحاشية:أفادأنه لايجوز التأخير عن الوقت المستحب إلى ا لمكروه مطلقًا،آه.(۱)

وفى الطحطاوى،ص: ١١٧.وفى الدرالمختار مراعيا لوقت الندب.

وفى كتاب الفقه على المذاهب الأربعة مع المحافظة على قدر الفضيلة.

(۵) وفى ط عن الحموى عن الخزانة:الوقت المكروه فى الظهر أن يدخل فى حد الاختلاف وإذا أخره حتى صارظل كل شيء مثله فقد دخل فى حد الاختلاف. (ردالمحتار،ص:۲۵۳، وطحطاوی ص ۱۰۷،وغایۃ الاوطار،ص:۱۷۶)

بوجوہ مندرجہ بالا وغیرہا علماء احناف نے فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ نماز ظہر مثل اول سے مؤخر نہ کی جائے اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے۔

قال المشائخ: ينبغى أن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ولايؤخر الظهر إلٰى أن يبلغ المثل ليخرج من الخلاف فيها.آه. (كبيرى،ص: ٢٢٥،ومعناه فى رد المحتار،ص: ٢٥١،ج:١،ومراقى الفلاح،ص: ١٠٤،والتنقيح الضرورى شرح القدورى:ص: ٢٠،وغيرها)

کیا مع مذکورۃ الصدر مجبوری کے اور امام صاحب کے بیان کے دوسرے مثل میں جماعت کا اہتمام کر سکتے ہیں اگر کر سکتے ہیں تو بالدلائل بیان فرمائیں؟ نیز ہر نمبر کی توثیق یا تردید واضح الفاظ میں تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

---

(۱) نورالإيضاح،كتاب الصلوٰة،باب الأذان ،حكم الأذان والإقامة.انيس

تحقیق مذکور میں دو امور کی وضاحت ضروری ہے۔

(۱) حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجوع الی قول المثل اگر چہ منقول عن البعض ہے، مگر اس کا ظن غالب نہیں، اگر یہ امر غلبہ ظن کے درجہ میں ثابت ہوتا تو مشائخ اس میں اختلاف نہ فرماتے، حالانکہ دونوں اقوال کی مساوی طور پر تصحیح و ترجیح مشائخ سے منقول ہے۔

إن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضاً كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية.(۱)

وقد قال في البحر: لايعدل عن قول الإمام إلىٰ قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة و إن صرح المشائخ بأن الفتوىٰ علىٰ قولهما كماهنا ... وقال أيضاً: وانظر هل إذا لزم من تأخيره العصر إلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولىٰ التأخير أم لا، والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام، تأمل. (رد المحتار، أول كتاب الصلاة: ۱/۳۳۳)

شفق احمر وابیض کی بحث کے تحت فتح الملہم میں ہے:

ومافي الدر المختار أن الإمام رجع إلىٰ قول صاحبيه فقال العلامة قاسم في تصحيح

---

(۱) لهما إمامة جبرئيل عليه السلام في اليوم الأول حيث صلى العصر حين صار ظل كل شيء مثله، وله حديث أبي هريرة عنه عليه السلام إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة فإن شدة الحر من فيح جهنم، رواه الستة، وعن أبي ذر قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فأراد المؤذن أن يؤذن فقال له أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له أبرد حتى ساوى الظل التلول فقال النبي صلى الله عليه وسلم إن شدة الحر من فيح جهنم رواه البخاري في باب الأذان للمسافرين، وجه الاستدلال بالحديث الأول أن شدة الحر في ديارهم إذا كان ظل الشيء مثله وبالثاني بأنه صرح بأن الظل قد ساوى التلول ولا قد يدرك لفيء الزوال ذلك الزمان في ديارهم فثبت أنه عليه السلام صلى الظهر حين صار كل الشيء مثله ولا يظن به أنه صلاها في وقت العصر فكان حجة على أبي يوسف ومحمد وإن لم يكن حجة على من يجوز الجمع في السفر على ان إمامة جبرئيل في اليوم الثاني حجة على الكل حيث صلى فيه الظهر حين صار الظل مثله بقي أن يقال هذا إنما يفيد عدم خروج وقت الظهر ودخول وقت العصر بصيرورة الظل مثلا ولا يقضي ما بين المثل والمثلين وقت للظهر دون العصر وهو المدعى والجواب أنه قد ثبت بقاء وقت الظهر عند صيرورة الظل مثلا نسخا لإمامة جبرئيل فيه في العصر إذ كل حديث روى مخالفا لحديث إمامة جبرئيل ناسخ لما خالفه فيه لتحقق تقدمه على كل حديث روى في الأوقات لأنه أول ما علمه إياها وإمامته في اليوم الثاني في العصر عند صيرورته مثليه تفيد أنه وقته ولم ينسخ فيستمر ما علم ثبوته مع بقاء وقت الظهر إلى أن يدخل هذا المعلوم كونه وقتاً للعصر. (الحلبي الكبير شرح منية المصلي: ۲۲۷، دار سعادت باب عالي سنده مطبعه كتبخانه جهان نومرو. انيس)

(۲) كتاب التصحيح والترجيح على مختصر القدوري، أول كتاب الصلاة: ۱/۱۵۳، دار الكتب العلمية. انيس

القدوری: إن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول. (فتح الملهم، ص: ۱۹۵، ج: ۲)(۲)

(۲) مثل ثانی میں نماز ظہر کی کراہت کے قول میں متبادر کراہت تنزیہیہ ہے، اگرچہ مطلق کراہت سے کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے، مگر یہاں مثل ثانی کے قول کی چونکہ بہت سے مشائخ نے تصحیح فرمائی ہے۔ اس لئے کراہت تنزیہیہ متبادر ہے۔ بہر کیف امام کے لئے افضل یہی ہے کہ مثل ثانی شروع ہونے سے قبل ہی نماز پڑھا جائے، حکومت پر لازم ہے کہ ملازمین کو مثل اول کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت دے۔

ہدایت: راولپنڈی میں یکم جنوری میں مثل اول دو بجکر اکاون منٹ پر ختم ہوتا ہے اور مثل ثانی تین بجکر اکتیس منٹ پر، دوسرے موسم میں اس سے بھی زیادہ دیر تک وقت رہتا ہے۔

لہذا سرکاری دفاتر سے دو بجے چھٹی ہونے کے بعد بھی ہر موسم میں نماز ظہر مثل اول میں جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر محرم الحرام ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۴۳-۱۴۵)

عصر وظہر کے اوقات کے صحیح حدود:

سوال: شیخ الشیوخ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مصفی شرح موطا میں در تحدید صلوٰۃ ظہر وعصر فرماتے ہیں:

مترجم گوید ابتدائے وقت ظہر زوال شمس است از وسط آسمان وآخر وقت او انیست کہ باشد سایہ ہر چیزے مانند

(۱) المصفی شرح الموطأ للإمام مالک (باللغة الفارسية): ۷۷، مطبع فاروقی دھلی. انیس

☆ عصر کا وقت:

اس وقت کی بڑی فضیلت ہے، اہم ترین نماز صلاۃ وسطیٰ صحیح قول کے مطابق عصر ہی کی نماز ہے۔ (درمختار: ۱/۲۴۱)

جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور آفتاب غروب ہونے کے پہلے تک رہتا ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

جس جگہ مثل دوم سے پہلے جماعت ہو جائے وہاں بھی مثل دوم گزرنے کے بعد ہی عصر پڑھے۔ (شامی واحسن الفتاویٰ)

آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر واپس آجائے تو عصر کا وقت لوٹ آئے گا، اور جب تک دوبارہ غروب نہ ہو عصر کا وقت رہے گا۔ (درمختار برشامی: ۱/۲۴۱)

عصر کی نماز جاڑے، گرمی اور ہر موسم میں اتنا تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے کہ آفتاب میں تبدیلی آنے سے پہلے نماز ادا ہو جائے اور کسی کی رکعت چھوٹ جائے تو وہ بھی اس تبدیلی سے پہلے ادا ہو جائے۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۴۶)

آسمان میں بادل ہو تو عصر کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے، تاکہ مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/۱۸۶) ==

قامت آں چیزے سوائے فیٔ زوال برہمیں منطبق است ابراد ولفظ عشی وزآنجا وقت عصر داخل می شود، الخ۔ (۱) ☆

(مترجم کہتا ہے کہ وقت ظہر کی ابتدا آفتاب کے وسط آسمان سے زوال سے ہوتی ہے اوراس کا آخر وقت وہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے مطابق ہوجائے سوائے سایۂ اصلی کے اوراسی پر منطبق ہوتا ہے، لفظ ٹھنڈا کرنے کا اور لفظ عشی کا اور وہیں سے عصر کا وقت داخل ہوجا تا ہے)

اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں:

آنچہ از بعضی فقہا منقول است کہ بایں حدیث تمسک کردہ اند در آنکہ وقت عصر از مابعد المثلین شروع میشود وقبل از آں وقت ظہر است پس دلالت حدیث برآں ممنوع ست آری اگر لفظ مابین وقت العصر الی المغرب می بود گنجائش ایں استدلال می شد لفظ حدیث مابین صلوۃ العصر الی مغرب الشّمس ست کہ صلوۃ العصر در اول وقت متحقق نمی شود تا مدعا حاصل گردد و مدار تشبیہ در مقالۂ مابین نماز عصر ست بروفق آنچہ معمول آں جناب بود تا وقت غروب وان کمتر از مابین ظہر وعصر می باشد گواز ابتداء وقت عصر تا غروب مساوی آں باشد واگر کسے بخاطر است کہ تشبیہ برائے تفہیم ست ودریں صورت تخیل لازم آید زیرا کہ صلوٰۃ عصر را تعینے نیست ہر کسے در وقتے از اوقات متسعہ می خواند بخلاف وقت عصر کہ فی نفسہ متعین ست گویم تشبیہ برائے تفہیم مخاطبین ست ومخاطبین وقت متعارف نماز آں جناب رامی شناختند پس نسبت بایشاں بوجہ احسن تفہیم متحقق شد ودیگرانرا بسماع از ایشاں ایں معنی واضح شد نظیرش آنکہ حضرت عائشہ درمیان وقت معمول نماز عصر آں جناب فرمودہ است:

كان يصلى العصر والشمس فى حجرتها لم يظهر الفیء بعد. (۱)

== آفتاب میں تبدیلی آنے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کو دیکھنے سے آنکھ کو حیرانی نہ ہو۔ (درمختار) یعنی اس کی تیزی کم ہوجائے، اور یہ وقت آفتاب غروب ہونے سے تقریباً ۲۰؍منٹ پہلے شروع ہوتا ہے۔

جب تک یہ تبدیلی آفتاب میں نہ آئے عصر کی ادا اور قضا سب نمازیں اس وقت پڑھ سکتے ہیں بلکہ دوسری قضا نمازیں بھی پڑھنا جائز ہے۔ اس تبدیلی کے بعد سے غروب آفتاب تک کوئی قضا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اگر اس دن عصر نہ پڑھی ہوتو صرف اس کو ضرور پڑھ لے یہ نماز ہوجائے گی۔ (درمختار برشامی: ۱؍۲۴۹)

چھوڑنا سخت گناہ ہے، گرچہ اس وقت پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱؍۱۸۶)

لیکن چھوڑنا اس سے بڑا گناہ ہے۔ کسی نے عصر کی نماز مستحب وقت میں شروع کی اور مکروہ وقت میں پوری ہوئی تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (درمختار وغیرہ)

عصر کی نماز پڑھنے کے درمیان آفتاب غروب ہوجائے پھر بھی نماز پوری کرلے نماز ہوجائے گی۔ (شامی)

آفتاب کا کچھ حصہ غروب ہو اور کچھ حصہ باقی ہو اور عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اس وقت بھی پڑھ لینا چاہئے مگر قصداً اس قدر تاخیر نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲؍۳۴) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۱۷۴ و ۱۷۵۔ انیس)

(۱) الصحيح للبخارى كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت العصر (ح: ۵۲۱) ولفظه: عن عروة عن عائشة قالت: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى صلاة العصر والشمس طالعة فى حجرتها لم يظهر الفیء بعد. (انيس)

(۲) الموطأ للإمام مالک برواية محمد بن الحسن الشيبانى، باب التفسير (ح: ۱۰۰۸) انيس

ومعلوم است کہ ایں بیان وتفسیر غیر از کسانے را کہ آں حجرہ مبارک را دیدہ باشند وبودن آفتاب را در آں حجرہ وظہور سایہ را دران مقایسہ کردہ باشند فائدہ نمی کند کذا ہذا ونیز باید دانست کہ آنچہ در کلام امام واقع شدہ کہ **ومن عجل العصر كان مابين الظهر إلى العصر أقل ممابين العصر إلى المغرب**، (۲) بظاہر مخدوش ست زیرا کہ موافق قواعد ظلال انقضاء مثل وقتے می شود کہ ربع النہار باقی می ماند در اکثر بلدان پس وقتیں مساوی باشند نہ زیادہ وکم ومیتوان توجیہ کرد کہ مراد از مابین الظہر مابین وقت المتعارف للصلوٰۃ ست یعنی ز ابتدائے وقت متاخر خصوصا در ایام صیف کہ ابراد آں مستحب ست۔ واللہ اعلم

(اور جو کچھ بعض فقہا سے منقول ہے وہ اس حدیث سے تمسک کئے ہیں اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مثلین کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور اس کے پہلے ظہر کا وقت ہوتا ہے تو حدیث کی دلالت اس پر ممنوع ہے، ہاں اگر یہ لفظ ہوتا کہ ''عصر سے مغرب وقت تک' تو اس استدلال کی گنجائش ہوتی۔ حدیث کے الفاظ ''عصر سے شروع غروب آفتاب تک کے ہیں کہ عصر کی نماز اول وقت میں متحقق نہیں ہوتی ہے کہ مدعا حاصل ہوا اور تشبیہ کا مدار ہماری تقریر میں مابین نماز عصر ہے جس میں موافقت اس معمول کی ہے جو آنجناب کا تھا وقت غروب آفتاب تک اور وہ ظہر وعصر کے مابین سے کم ہوتا ہے گو کہ ابتداء وقت عصر سے غروب تک اس کے مساوی ہوتا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ ہے تو تشبیہ سمجھانے کے لئے ہے تو ایسی صورت میں تحقیق لازم آتی ہے، اس لئے کہ نماز عصر کا تعین نہیں ہے۔ ہر شخص کسی ایک وقت میں اوقات وسیعہ سے پڑھ لیتا ہے۔ بخلاف وقت عصر کے کہ فی نفسہ متعین ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تشبیہ مخاطبین کو سمجھانے کے لئے ہے اور مخاطبین آنجناب نماز کے وقت معروف کو جانتے تھے۔ بس ان کی نسبت کرتے ہوئے عمدہ طریقہ پر سمجھانا ہوا اور دوسروں کو اس کے سننے سے معنی معلوم ہوگئے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر کے معمول کے متعلق فرماتی ہیں کہ آپ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے جبکہ آفتاب آپ کے کمرہ میں ہوتا تھا اور ابھی وہ سایہ کہ ظاہر نہیں ہوا تھا اور معلوم ہے کہ یہ بیان اور تفسیر ان لوگوں کے سوا لوگوں کو جو حجرہ مبارکہ دیکھتے ہوں اور آفتاب کے اس حجرہ میں ہونے کو اور اس کے سایہ کو قیاس میں لائے ہوں فائدہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح یہ ہے اور جاننا چاہئے کہ جو کچھ امام کے کلام میں واقع ہوا ہے کہ ''اور جس نے عصر کی جلدی کی تو وہ ظہر سے عصر تک کم وقت رکھے گا اس وقت سے جو عصر سے مغرب تک ہو۔'' بظاہر مخدوش ہے، اس لئے کہ سایہ کے قاعدوں کے مطابق ایک مثل کا انقضا اس وقت ہوتا ہے کہ دن کا چوتھائی حصہ باقی رہتا ہے، اکثر شہروں میں پس دونوں وقت مساوی ہوتے ہیں نہ زیادہ وکم اور اس کی وجہ بیان کر سکتے ہیں کہ مراد مابین الظہر سے نماز کے اوقات معروفہ کے مابین ہے۔ یعنی ابتداء وقت آخر سے خصوصا گرمی کے دنوں میں کہ اس کا ٹھنڈا کرنا مستحب ہے۔)

اور مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

''وأما آخر وقت الظهر فلم يوجد في حديث صحيح ولا ضعيف أنه لا يبقىٰ بعد مصير ظل كل

(۱) التفسیر المظہری، تفسیر سورۃ النساء (۱۰۳): ۲/۲۲۷. انیس

شيء مثله ولهذا خالف أباحنيفة في هذه المسئلة صاحباه ووافقاالجمهور". (۱)

اب گذارش ہے کہ مذہب ایک مثل ظہر میں اور بعد مثل عصر میں مفتیٰ بہ اور محقق ومعمول بہ از روئے روایاتِ صحیحہ حسب ارشادات اکابرین محققین رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کے نزدیک ہے یا نہیں؟

الجواب

وقت ظہر میں ایسا کرنا احتیاط ہے کہ ظہر بعد مثل کے نہ پڑھیں اور عصر قبل مثلین کے نہ پڑھیں اور امام صاحب کی ایک روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے اور بایں ہمہ مذہب مثلین پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور اس عبارت بستان محدثین اور تفسیر مظہری سے قطعیۃ اور نفی صراحۃ مثلین معلوم ہوتی ہے۔ لہذا مذہب مثلین مرجوح ہے اور ایک مثل قوی اور معمول بہ اکثر فقہا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۵۴-۲۵۶)

طریق معرفت وقت ظہر وعصر ومغرب:

سوال: یہاں ظہر، عصر کے درمیان اور مغرب اور عشا کے درمیان وقت تمیز کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ سورج کی بلندی اور مغرب کے بعد روشنی کا خیال کیا جائے ورنہ گھڑی کی اتباع سے تو کوئی مشکل نہیں، مثلا دوپہر کے وقت سورج کی اونچائی افق سے ایک نیزہ برابر ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دن غروب ہونے میں ایک گھنٹہ بھر رہ گیا ہے۔ آج کل پونے چار بجے سورج غروب ہوتا ہے ایک دو بجے کے وقت جس کو ظہر کا وقت سمجھنا چاہئے سورج اتنا نیچا معلوم ہوتا ہے جیسے عصر کا آخر وقت ہو تو ایسی حالت میں اگر ظہر اور عصر میں فاصلہ کرنا ضروری ہے تو ظہر کس وقت پڑھی جائے اور عصر کتنی دیر اس کے بعد؟

الجواب

اس کے لئے ایک دن یا دو دن تھوڑا وقت صرف کرنا پڑے گا، گھڑی بھی اسی کے بعد رہبری کے لئے کافی ہوسکتی ہے، وہ کام یہ ہے کہ کسی دن جب فرصت ہو اور دھوپ ہو دوپہر سے پہلے بالشت دو بالشت کی برابر زمین کی سطح ہموار کرکے اس پر ایک خطِ مستقیم جنوباً، شمالاً کھینچ دیا جاوے قطب نما جو کہ شمالی سمت کو بتلاتا ہے، یہ اس کے لئے کافی ہوجاوے گا۔ اس کے بعد اس خط کے جنوبی نقطہ پر ایک باریک اور سیدھی لکڑی یا سینک یا لوہے کا تار سیدھا کھڑا کردیا جاوے چونکہ دوپہر سے پہلے کا وقت ہوگا سایہ اس لکڑی کا عین خط پر نہ ہوگا بلکہ اس خط سے مغرب کی طرف قدرے مائل ہوگا۔ پھر وقتاً فوقتاً خط کی طرف آنا شروع ہوگا۔ حتی کہ بالکل اس خط پر منطبق ہوجاوے گا۔ اس وقت اس سایہ کے منتہا پر ایک نشان بناکر اس سایہ کو کسی اور لکڑی وغیرہ سے ناپ لیا جاوے اور اس پیمانے کو محفوظ رکھا جاوے یہ وقت عین

دوپہر کا ہے۔اس کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف مائل ہونے لگے گا یہ ظہر کا اول وقت ہے۔پھر تھوڑی دیر کے بعد اس لکڑی کو جس کا سایہ ناپا تھا اس سطح پر سیدھا کھڑا کر کے دیکھتے رہیں اور جتنا سایہ عین دوپہر کے وقت تھا جس کا پیمانہ آپ کے پاس محفوظ ہے،اس پیمانہ کی برابر سایہ چھوڑ کر بقیہ سایہ کو دیکھئے خود اس سایہ دار لکڑی کی برابر ہوگیا یا نہیں؟ اگر نہ ہوا ہو پھر تھوڑی دیر میں دیکھئے جب برابر ہو جاوے یہ عصر کا اول وقت ہے،امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک، اور جب اس پیمانہ کے برابر سایہ چھوڑ کر اس سایہ دار لکڑی سے دوگنا سایہ ہو جاوے،وہ اول وقت عصر کا ہے،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

اور آپ کو گنجائش ہے،خواہ امام شافعیؒ کے وقت میں عصر پڑھ لیں،خواہ امام ابوحنیفہؒ کے وقت میں،جس وقت فرصت اور موقع ملے اور ان اوقات مذکورہ میں اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے رہئے۔پھر اسی کے مطابق گھڑی دیکھ کر نمازیں ادا کرتے رہئے۔پھر ایک مہینے کے بعد اسی طرح سایہ دیکھ لیا جاوے کچھ تفاوت ہو جاوے گا۔اس کو بقید ماہ شمسی ضبط کرتے رہئے۔آپ کے پاس ایک مفید اور کار آمد جنتری ہو جاوے گی۔یہ عصر کے وقت کی شناخت اور ضبط کا طریقہ ہے۔(۱)

(تتمہ خامسہ صفحہ۴۱۹)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۵۲-۱۵۳)

ظہر اور عصر کے وقت کی تحقیق:

سوال: حنفیہ کے نزدیک انتہائے وقت ظہر کہاں تک ہے،ایک مثل تک یا دو مثل تک،یعنی نماز ظہر کب سے قضا پڑھنی چاہئے اور نماز عصر کس وقت پڑھنی چاہئے؟

الجواب ــ

امام ابوحنیفہؒ سے ظاہر روایت جو اکثر متون میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوکر دو مثل سایہ ہونے تک باقی رہتا ہے۔

اور اس روایت کو بدائع ومحیط وینابیع میں صحیح اور غیاثیہ میں مختار بتایا ہے اور اسی کو امام محبوبی نے اختیار کیا ہے اور امام نقی اور امام صدر الشریعۃ نے اس پر اعتماد کیا ہے،لیکن خود امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ مذہب امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر

(۱) شرح الوقایة،کتاب الصلاة،المواقیت:۱/۱۲۰-۱۲۲،المطبع الیوسفی لکناؤ/الدر المختار مع رد المحتار، مطلب فی تعبده علیه الصلوٰة والسلام قبل البعثة:۱/۳۸۹،دار الفکر.انیس

(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،فصل شرائط أرکان الصلاة:۱/۱۲۲/ ==

اور ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ) کا ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور غرر الاذکار میں اسے ماخوذ بہ اور برہان میں اسے اظہر کہا ہے اور فیض میں لکھا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، انتھیٰ۔ یہ تمام مضمون درمختار اور ردالمحتار میں موجود ہے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں مشائخ مذہب کا اختلاف ہے اور تصحیح اور فتویٰ بھی مختلف ہے۔ بعضوں نے دو مثل کے قول کو ترجیح دی اور بعضوں نے ایک مثل کی روایت کو مختار اور مفتی بہ بتایا، ان دو قولوں اور دو روایتوں کے علاوہ امام صاحب سے ایک تیسری روایت اور بھی ہے، وہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے اور اس روایت کو شیخ الاسلام نے بہ نظر احتیاط پسند کیا ہے کہ اس میں دونوں نمازیں باتفاق ائمہ اپنے اپنے وقت میں بے تردد صحیح ہو جائیں گی۔ (۱) فقط واللہ اعلم (کفایت المفتی: ۶۳/۳)

ابتداء وقت عصر عند الامام:

سوال: امام اعظمؒ کے نزدیک ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جانے کی روایت معتبر اور مفتی بہ ہے یا دو مثل کی یا دونوں

== المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۲۷۴/۱ / الفتاوىٰ الغياثية، كتاب الصلاة من الفتاوىٰ، فصل: ۲۱، المطبعة الأميرية بولاق / مختصر الوقاية، أول كتاب الصلاة: ۱۱، المطبوع في الهند / شرح الوقاية معه عمدة الرعاية، أول كتاب الصلاة: ۱۲۰، المطبع اليوسفي لكناؤ / الدر المختار مع ردالمحتار مطلب في تعبده عليه الصلوٰة والسلام قبل البعثة: ۳۸۹/۱، دار الفكر، انيس

(۱) (وقت الظهر من زواله) (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، و في غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، ... وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتىٰ. (الدر المختار)

وفي الشامية: (قوله إلىٰ بلوغ الظل مثليه) هٰذا ظاهر الرواية عن الإمام "نهاية" وهو الصحيح "بدائع، ومحيط وينابيع"، وهو المختار "غياثية" واختاره الإمام المحبوبي، الخ. وفي رواية عنه أيضًا: أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين، ذكرها الزيلعي وغيره، الخ.

والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل، وأن لايصلي العصر حتىٰ يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۳۵۹/۱، ط: سعيد كمپني)

(۲) (وقت الظهر من زواله) (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما، الخ، وبه يفتىٰ. (الدر المختار)

(قوله إلىٰ بلوغ الظل مثليه) هٰذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية، وهو الصحيح. (بدايع، ومحيط، وينابيع) وهو المختار (غياثية) واختاره الإمام المحبوبي الخ وفي رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين ذكرها الزيلعي وغيره الخ. (ردالمحتار: أول كتاب الصلوٰة: ۳۳۲/۱، ظفير)

(۳) اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة: ۵۶/۱. انيس

فتوے دینے اور عمل کرنے میں ایک درجہ کی معتبر اور صحیح ہیں؟

الجواب

حنفیہ کا فتویٰ ہر دو قول پر ہے۔(۲) لیکن احوط دو مثل پر عصر کو پڑھنا ہے اور اسی پر ہمارے مشائخ کا عمل ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۴۳)

وقت عصر اور مثل و مثلین کی بحث:

سوال: یہاں ایک مسجد کے امام جو حنفی ہونے کے مدعی ہیں نماز عصر دو گنے سایہ کے بعد ادا کرتے ہیں، چونکہ مقتدی اکثر شوافع ہیں وہ چاہتے ہیں کہ عصر کی نماز ایک مثل پر ہو۔ چنانچہ پیش امام سے درخواست کرتے ہوئے ان کی توجہ صاحبینؒ کے قول کی طرف مبذول کرائی گئی مگر آپ نہیں مانتے۔ آیا مذہب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ میں عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور عندالحنفیہ ایک مثل پر عصر کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب

صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہوجاتا ہے اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی ہے اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور درمختار میں کہا کہ یہی ماخوذ بہ ہے اور اسی پر عمل ہے اور مفتی بہ ہے۔(۱)

لیکن علامہ شامی نے ردالمحتار میں نقل فرمایا ہے کہ ظاہر الروایۃ امام صاحب سے یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے اور بدائع وغیرہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

"(قوله: أى بلوغ الظل مثليه) الخ ،هذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية ، وهو الصحيح، بدايع،ومحيط، وينابيع) وهو المختار ، غياثية ، واختاره الإمام المحبوبى وعول عليه النسفى وصدر الشريعة،الخ". (۲)

الغرض اس میں شک نہیں ہے کہ احوط امام صاحب کا مذہب ہے اور ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھنے میں شبہ قبل از وقت نماز ہونے کا ہے اور دو مثل پر باتفاق ائمہ نماز صحیح ہے، اور شوافع کے مذہب میں بھی اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔ لہٰذا شوافع کو امام حنفی کو مجبور نہ کرنا چاہئے کہ ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھے کیونکہ دو مثل تک تاخیر میں شوافع کے نزدیک بھی کراہت نہیں آتی اور باتفاق نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ بخلاف ایک مثل پر پڑھنے کے کہ اس میں موافق ظاہر

(۱) (وقت الظهر من زواله) الخ (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ و فى غرر الأذكار: وهو المأخوذ به وفى البرهان: وهو الأظهر لبيان جبرئيل وهو نص فى الباب وفى الفيض: وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتىٰ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۳۲-۳۳۳، ظفير) (هدية الصعلوك شرح تحفة الملوك، كتاب الصلاة فى بحث الأوقات. انيس)

(۲-۳) رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب فى تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۳۲-۳۳۳، ظفير المفتاحى

الروایۃ کے عندالامام الاعظم نماز نہ ہوگی۔

قال فی الشامی :" والأحسن ما فی السراج عن شیخ الإسلام: أن الاحتیاط أن لایؤخر الظہر إلی المثل وأن لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیاً للصلاتین فی وقتہما بالإجماع،الخ". (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۱)(۳)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۵۲۔۵۳)

نمازعصرایک مثل پر پڑھی جائے یا دومثل پر:

سوال: نمازعصر کا وقت بقول صاحبینؒ وامام زفرؒ وامام طحاویؒ وغیرہم وبقول ائمہ ثلاثہ بعدازمثل شروع ہوجاتا ہےاور"صاحب کشف الاستار"یوں تحریرفرماتے ہیں کہ صاحبین کےقول کی طرف امام اعظمؒ کارجوع ثابت ہے ونیز احادیث میں اول وقت پرنماز پڑھنے کی تاکید شدید آئی ہےتو ایسی صورت میں نمازعصر قبل از دومثل پڑھناافضل ہے یا بعدازدومثل، براہ کرم اس کاجواب بحوالہ کتب عربیہ تحریرفرماکرممنون ومشکورفرمائیں؟

الجواب

قال فی ردالمحتار:(قولہ إلی بلوغ الظل مثلیہ)ہذا ظاہرالروایۃ عن الإمام(نہایۃ)وہو الصحیح(بدایع ومحیط وینابیع)وہو المختار(غیاثیۃ)واختارہ الإمام المحبوبی وعول علیہ النسفی وصدرالشریعۃ وتصحیح قاسم واختارہ أصحاب المتون وارتضاہ الشارحون،فقول الطحاوی:"وبقولہما نأخذ"،لایدل علی أنہ المذہب،ومافی الفیض من أنہ یفتی بقولہما فی العصروالعشاء مسلم فی العشاء فقط علی مافیہ وتمامہ فی البحر.(ثم قال)وقد قال فی البحر:لایعدل عن قول الإمام إلی قولہماأوقول أحدہما إلا لضرورۃ من ضعف دلیل أوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وإن صرح المشائخ بأن الفتویٰ علی قولہما،اھ.(ردالمحتار: ۱/۳۳۳)(۱)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک روایت وہ بھی ہے جوسوال میں درج ہے یعنی موافق قوم صاحبینؒ کے،لیکن ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے،جس کوتمام متون اورشروح نے لیاہےاور محققین حنفیہ نے اسی پرفتویٰ دیا ہے۔اور مقتضی قواعد کا یہی ہے کہ وقت ظہر زوال سے شروع ہوکر دومثل تک رہتاہے، دومثل کے

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلوٰۃ،مطلب فی تعبدہ علیہ الصلاۃ والسلام قبل البعثۃ: ۲/ ۱۴،۱۵، دارالفکربیروت/وکذا فی البحرالرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ،أوقات الصلاۃ، وقت الظہر: ۱/۲۵۸۔۲۵۹، دارالکتاب الإسلامی، انیس

(۲) (والظہرمن زوالہا) أی یدخل وقت الظہر من زوال الشمس عن کبد السماء (حتی یصیر ظل الشیء مثلیہ سوی فیء الزوال)عند أبی حنیفۃ لإمامۃ جبرئیل علیہ السلام للعصر فی الیوم الثانی حین صار ظل کل شیء مثلیہ.(منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک،فصل فی بیان شروط الصلاۃ وأرکانہا: ۱۰۵، وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ،دولۃ قطر.انیس)

بعد عصر شروع ہوتا ہے۔(۲)

رہا یہ امر کہ امام صاحبؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے یہ کسی معتبر کتاب اور معتبر سند سے ثابت نہیں ہے اور صرف کشف الاستار کا لکھنا بمقابلہ تمام معتبرات کے معتبر نہیں ہے۔(واللّٰہ سبحانہ و تعالٰی أعلم)(اضافہ)

(امداد المفتین:۲/۲۶۵۔۲۶۶)

ایک مثل پر عصر کی نماز:

سوال: زید نے سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھی، زید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقلد ہے۔اس کی نماز ہوگئی یا اعادہ واجب ہے؟ اگر نماز ہوگئی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عصر کا وقت ہے اور ظہر کا وقت نکل گیا، اب اگر عمر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ، اگر میں آج کی ظہر کی ادا پڑھوں، تو تین طلاق ہے، اور ایک مثل کے بعد دو مثل پورے ہونے سے پہلے ظہر پڑھی، تو عمر کی بیوی کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

حنفیہ کو صاحبین کے قول کے موافق اس نماز کا اعادہ لازم نہیں، نماز صحیح ہوگئی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

''وبقولهما نأخذ''.(۱)

---

(۱) ''قال العلامة الطحطاوي:''وقول الطحاوي: ''وبقولهما نأخذ''يدل على أنه المذهب''.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الصلوٰة: ۱/۱۷۶،قديمي)

(۲) ''(ووقت الظهر من زواله)أي ميل ذكاء عن كبد السماء (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله ... سوى فيء الزوال''.(الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۹،سعيد)

(۳) ''وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أن آخر وقتها إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال،وهو قول أبي يوسف ومحمد وزفر والحسن والشافعي''.(بدائع الصنائع،كتاب الصلوٰة،فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۶۱،دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) ''ووقت الظهر من زواله:أي ميل ذُكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله،وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة،قال الإمام الطحاوي:''وبه نأخذ'' وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به،وفي البرهان:وهو الأظهر،لبيان جبريل،وهو نص في الباب،وفي الفيض:وعليه عمل الناس اليوم،وبه يفتٰى''.(الدر المختار)قال ابن عابدينؒ:''(قوله: إلى بلوغ الظل مثليه)هذا ظاهر الرواية عن الإمام،نهاية، وهو الصحيح، بدائع، ومحيط، وينابيع، وهو المختار، غياثية،واختاره الإمام المحبوبي ...وفي رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر،ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين،ذكرها الزيلعي وغيره''.(ردالمحتار،كتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۹،سعيد)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہونے تک رہتا ہے، اس لحاظ سے شخصِ مذکور کی ظہر کی نماز ادا ہوئی۔ (۲)

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مثل تک رہتا ہے، اس اعتبار سے اس کی یہ ظہر کی نماز قضا ہوئی۔ (۳)

دونوں قولوں کو مختلف حضراتِ فقہا نے اختیار کیا ہے۔ (۴)

عمر کو ملک بضع بذریعۂ نکاح متعین طریق پر حاصل ہے، اس کے خروج کے لئے بھی غیر مشکوک متعین درجہ درکار ہے۔

" إذا لقاء منة الآثار لاينقض الوقت بالشک". (بحر)(۱)

وقت کے اندر پڑھنا ادا ہے۔ یہاں تعارضِ آثار کی وجہ سے وقت کے منقضی ہوجانے میں شک ہے، اور شک سے وقت پر خارج ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

اسی شک پر طلاق کے وقوع کا بھی حکم نہیں ہوگا۔

"علم أنه حلف ولم يدر الطلاق أو غيره، لغا كما لو شک أطلّق أم لا؟". (الدر المختار)(۲)

طلاق ابغض المباحات بھی ہے، اس لئے اس سے بھی ممکن اجتناب چاہئے۔ (۳)

وقت مذکور میں عصر کو غیر صحیح قرار دینے سے فریضہ ذمہ میں باقی رہتا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو گناہ سے بچانے کیلئے اس کی نماز کو صحیح کیا جائے۔ (۴) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۶/۵-۳۳۸)

مثلِ اوّل پر عصر کی نماز:

سوال: زید مسجد اہلِ حدیث میں امام ہے، حالانکہ زید حنفی ہے، مگر مسجدِ اہل حدیث میں امام ہونے کی وجہ سے نمازِ عصر وقتِ عصر شافعی میں پڑھاتا ہے، جو وقتِ حنفی سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اب اگر زید نماز پڑھادینے کے بعد

(۱) "إذا تعارضت الآثار لاينقض الوقت بالشک". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة: ۴۲۵/۱، رشيدية)

(۲) الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۲۸۳/۱، سعيد

(۳) "عن ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: " أبغض الحلال إلى اللّٰه عزوجل الطلاق". (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في كراهية الطلاق: ۲۹۶/۱، دار الحديث، ملتان)

(۴) " فعندهما إذا صار ظل كل شيء مثله، خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وهو رواية محمد عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر". (المبسوط للسرخسي، باب مواقيت الصلوٰة: ۲۹۰/۱، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۵) "(قوله: إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية، وهو الصحيح، بدائع، ومحيط، وينابيع، وهو المختار، غياثية، واختاره الإمام المحبوبي". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة: ۳۵۹/۱، سعيد)

وقت حنفی میں نماز عصر کا پھر تنہا اعادہ کرے، تو زید کی نماز اور اہلِ حدیث حضرات کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ زید نماز کا اعادہ کرے یا نہیں؟ دیگر اوقات کو کہ اولِ وقت میں پڑھاتا ہے، مگر یہ اوقات حنفیہ کے نزدیک بھی مسلّم ہیں۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قولِ مختار اور مفتیٰ بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے۔(۵) مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثلِ واحد کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے، اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ صحیح نہیں کہ اہلِ حدیث کو نماز پڑھادے اور پھر اپنی نماز کا اعادہ کرلیا کرے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو نماز ان کو پڑھائی ہے، وہ زید کے نزدیک صحیح نہیں ہوئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۸/۵)

مثلِ اول پر عصر پڑھنے کی تفصیل:

سوال: اس ادارہ میں کوکن کے اور کچھ دوسرے علاقہ کے حنفی طلبا بھی تعلیم پاتے ہیں اور چند مدرسین بھی حنفی المسلک ہیں۔

سوال درپیش یہ ہے کہ چونکہ ہم شوافع کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے بعد ہوتا ہے اور احناف کا مسلک دو مثل کا ہے۔ لہٰذا یہ طلبا و مدرسین شوافع کے ساتھ عصر کی نماز ادا کریں، تو درست ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں چند امور ضرور ملحوظ خاطر رہیں:

۱۔ صاحبینؒ ایک مثل کے قائل ہیں۔

۲۔ علاقہ شافعی ہے۔

لہٰذا یہاں ایک مثل پر نماز ہوتی ہے، اگر دو مثل پر پڑھیں تو انتشار بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہے، یہ معاملہ گاہے گاہے کا نہ ہوگا، بلکہ روزانہ کا ہوگا۔ اگر ایک مثل پر روزانہ نماز ادا کرنا درست نہ ہو تو کیا حنفی المسلک طلبا و اساتذہ کے لئے دوبارہ

---

(۱) "(ووقت الظهر من زواله) ... (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: "وبه نأخذ". (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۳۵۹/۱، سعيد)

(۲) " اعلم أن الروايات عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ اختلفت في آخر وقت الظهر، روى محمد عنه: " إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، و هو الذي عليه أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (العناية شرح الهداية علىٰ هامش فتح القدير، باب المواقيت: ۲۱۹/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر)

اذان دینا ہوگی، یا ایک مثل کی اذان کافی ہوگی؟ نیز یہ دوسری جماعت مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے، یا جماعتِ ثانیہ میں شمار ہوکر مسجد کے علاوہ کہیں اور قائم کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

مستقلاً ہمیشہ مثلِ واحد پر نماز عصر ادا کرنا گویا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو ترک کرنا ہے، (۲) اس لئے ایسا نہ کیا جائے، کبھی اتفاقیہ ایسی نوبت آجائے تو امرِ آخر ہے، اگر مثلین پر نماز ادا کی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کے نزدیک بالاتفاق نماز ہوجائے گی۔ (۱) اگر مصالح سمجھ کر یہ صورت اختیار کرلی جائے کہ مثلین پر سب آمادہ ہوجائیں، تو اعلیٰ بات ہے، (۲) لیکن اس کی خاطر مجبور نہ کیا جائے نہ خلفشار۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے، تو حنفی حضرات دوسری مسجد میں جاکر مثلین پر جماعت کرلیا کریں، یہ بھی نہ ہوسکے، تو مدرسہ کے ایک کمرہ میں مثلین پر جماعت کرلیا کریں، اذان زیادہ بلند آواز سے کہنے کی ضرورت نہیں، اتنی آواز کافی ہے کہ مدرسہ کے مدرسین وطلبا سن لیں، جن کو نماز مثلین پر پڑھنی ہے۔

جہاں تک ہوسکے خلفشار اور فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ مدرسہ کو ترقی دے اور علم وعمل کی صحیح اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۳۹-۳۴۰)

---

(۱) "والأحسن ما فی السراج عن شیخ الإسلام: أن الاحتیاط أن لایؤخر الظهر إلی المثل، وأن لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلاتین فی وقتهما بالإجماع". (رد المحتار، کتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۹، سعید)

(۲) "قال المشائخ: "ینبغی أن لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین، ولایؤخر الظهر إلیٰ أن یبلغ المثل لیخرج من الخلاف فیها". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوٰة، بحث: فروع فی شرح الطحاوی، ص: ۲۲۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) "والفقیر أقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی، والفقیه المنصف یسلم ذلک:

وأنا رملی فقه الحنفی　　لامرا بعد اتفاق العالمین، ملخصاً.

أی لاجدال بعد اتفاق عالمی المذهبین: وهما رملی الحنفیة یعنی به نفسه ورملی الشافعیة رحمهما اللّٰه تعالیٰ، فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم یجد غیره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل، آه. (ردالمحتار، مطلب فی القتداء بشافعی، الخ: ۱/۵۶۳)

والذی یمیل إلیه القلب عدم کراهة الاقتداء بالمخالف ما لم یکن غیر مراع فی الفرائض، لأن کثیرا من الصحابة والتابعین کانوا أئمة مجتهدین وهم یصلون خلف إمام واحد تباین مذاهبهم، وإنه لو انتظر إمام مذهبه بعیدا من الصفوف لم یکن إعراضاً عن الجماعة للعلم بأنه یرید جماعة أکمل من هذه الجماعة". (ردالمحتار، کتاب الصلوٰة: ۱/۵۶۳-۵۶۴، سعید)

مثل اول کے بعد نماز عصر کا حکم:

سوال: یہاں از روئے مذہب شافعی نماز عصر سایۂ اصلی کے سوا ایک سایہ پر ادا کی جاتی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا احناف مقتدیوں کی اقتداء شافعی المذہب امام کے ساتھ درست ہوگی یا نہیں؟

(المستفتی نمبر:۱۳۱، منشی ناظم حسین صاحب، کلیان، ۴/ شعبان ۱۳۵۲ھ/م ۲۳/ نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

ایک مثل سایہ ہوجانے پر عصر کا وقت ہوجانے کا بہت سے مشائخ حنفیہ نے بھی فتویٰ دیا ہے، اس لئے ایک مثل ہوجانے کے بعد شافعی جماعت میں حنفی شریک ہوکر نماز عصر ادا کرسکتے ہیں۔ (ایک مثل سے مراد سایۂ اصلی کے سوا مثل ہے)

وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر لبيان جبريل وهو نص في الباب، في الفيض: وعليه عمل الناس، وبه يفتىٰ. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۵۹/۱)(۱)(کفایت المفتی: ۶۳/۳-۶۴)

شافعی امام کے پیچھے ایک مثل پر عصر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: مؤذن حنفی ہے، شافعی لوگ نماز عصر ساڑھے تین بجے پڑھا کرتے ہیں، امام شافعی ہونے کی صورت

(۱) وقد حدثني ابن أبي عمران عن ابن الثلجي عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله أنه قال: في آخر وقتها إذا صار الظل مثله وهو قول أبي يوسف ومحمد، وبه نأخذ. (شرح معاني الآثار، باب مواقيت الصلاة (ح: ۹۶۱) انيس)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار مطلب في تعبده عليه الصلوٰة والسلام قبل البعثة: ۳۸۹/۱، دار الفكر، انيس

(۳) "وأما الأقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي، فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدي، عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة، اه. فقيد بالمفسد دون غيره كما تري، وفي رسالة الاهتداء في الاقتداء لملا علي القاري: ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف، وإلا فلا، ... فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟: ۵۶۳/۱، دار الفكر بيروت. انيس)

قال البدر العيني: يجوز الاقتداء بالمخالف وكل بر وفاجر مالم يكن مبتدعاً بدعة يكفر بها ومالم يتحقق من إمامه مفسداً لصلاته في اعتقاده، اه. وإذا لم يجد غير المخالف فلا كراهة في الاقتداء به والاقتداء به أولى من الانفراد على أن الكراهة لا تنافي الثواب أفاده العلامة نوح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان الأحق بالإمامة: ۳۰۴/۱. انيس)

(ونرى الصلوٰة خلف كل بر وفاجر من أهل القبلة) أي من المسلمين، والبر: الصالح التقي، والفاجر: الفاسق الذي ظهر فسقه وفجوره بما ارتكب من ذنوب (ونصلي من مات منهم). (شرح العقيدة الطحاوية للبراك، مذهب أهل السنة في الصلاة خلف المسلمين: ۲۶۱/۱. انيس)

میں مؤذن ودیگر حنفیوں کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟ اور امام حنفی ہونے کی صورت میں امام ودیگر حنفیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق حامدا و مصلیًا

حنفیوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ دومثل کے بعد عصر پڑھا کریں،(۲) لیکن اگر اسی وقت میں شافعی امام کے پیچھے ایک مثل کے بعد بھی عصر پڑھ لی گئی تو صحیح طور پر ادا ہوگئی۔(۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم**

(مرغوب الفتاویٰ:۱۱۸/۲)

بعد از مثل عصر کی اذان کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں سعودی عرب میں بعد از مثل عصر کی اذان دی جاتی ہے، جب کہ احناف کا قول بعد مثلین ہے تو اگر ہم ان کی اقتدا میں اس وقت نماز پڑھ لیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: منیر احمد، شارع الشفاء سعودیہ عربیہ......۲۶/اکتوبر ۱۹۸۳ء)

الجواب ــــــــــــــــ

اس امام کے پیچھے اقتدا کیا کریں اور اگر ہو سکے تو احتیاطاً اعادہ کیا کریں۔(۱) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۱۵۷/۲)

مثل پر اذان اور مثلین پر نماز:

سوال: ختم ظہر مثل میں اذان کہے اور مثلین میں نماز پڑھے تو درست ہے؟

هــو المصــوبــــــــــــ

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: (قوله:وعليه عمل الناس اليوم) ... وانظرهل إذا لزم من تأخيره العصرإلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولىٰ التأخير أم لا ... والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام ، تأمل. ثم رأيت فى آخر شرح المنية ناقلاً عن بعض الفتاوىٰ أنه لوكان إمام محلته يصلى العشاء قبل غياب الشفق الأبيض فالأفضل أن يصليها وحده بعد البياض. (رد المحتار هامش الدر المختار ،قبيل مطلب لوردت الشمس بعد غروبها،أوقات الصلاة: ٢٦٤/١ ،دار الفكر بيروت)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار ،كتاب الصلاة: ١٤/٢ ـ

(۳) الفتاوىٰ الهندية: ٥١/١ .الفصل الثانى فى بيان فضيلة الأوقات

والأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلوتين فى وقتهما بالإجماع (رد المحتار ،كتاب الصلاة: ١٥/٢)

صورت مسئولہ میں ایسا کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔

(وقت الظهرمن زواله) ... (إلٰی بلوغ الظل مثليه) ... (سویٰ فیء)...(الزوال).(۲)

لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔

قالوا: الاحتياط أن يصلى الظهر قبل صيرورة الظل مثله ويصلى العصر حين يصير مثليه.(۳)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۱۶/۱-۳۱۷)

دو مثل سایہ ہونے سے کچھ قبل اذان عصر کہہ کر دو مثل سایہ ہوتے ہی نماز عصر پڑھنا جائز ہے، مگر مصلحت کے خلاف ہے:

سوال: حنفی مذہب کے مطابق اذانِ عصر دو مثل سایہ سے دس پندرہ منٹ پیشتر کہہ کر دو مثل سایہ ہوتے ہی نمازِ عصر پڑھا لینا درست ہے یا نہیں؟ نیز گھروں میں نماز ظہر و عصر وغیرہ کی اذان سننے پر مستورات عمل کرتی ہوں، تو ایسی حالت میں دو مثل سایہ ہونے سے قبل اذان عصر کہہ لینا مناسب ہے؟ وقت عصر اول یعنی شافعیہ میں نمازِ عصر بلا تردد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ وقت مفتیٰ بہ کونسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ هو المصوب

جائز ہے، لیکن گھروں میں مستورات اذان کی آواز سنتے ہی نماز پڑھ لیتی ہیں، اس خوف سے برابر دو مثل سایہ ہونے پر اذان عصر کہہ کر تبھی نماز عصر پڑھنے میں مصلحت ہے، اگر چہ صاحبین کے قول پر ان کی نماز بھی جائز ہو جاتی ہے، مشہور اور مفتیٰ بہ مذہب حنفیہ میں دو مثل سایہ کے بعد وقتِ عصر ہوتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ایک روایت کی رو سے ایک مثل سایہ کے بعد وقتِ ظہر نکل جاتا ہے اور دو مثل سایہ کے بعد وقتِ عصر آتا ہے، پس وہ درمیان کا وقت ظہر و عصر سے خالی ہوگا۔(۱) (فتاویٰ باقیات صالحات: ۵-۶)

---

(۱) (وقت الظهر من زواله) أى ميل ذكاء عن كبد السماء (إلٰى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلٰثة، قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ، وفى غرر الأذكار: وهو المأخوذ به و فى البرهان: وهو الأظهر لبيان جبرئيل. عليه السلام. وهو نص فى الباب، وفى الفيض: وعليه عمل الناس اليوم (وبه يفتى) (سوى فیء) يكون للأشياء قبيل (الزوال). (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۳۵۹/۱، سعيد كمپنى لاهور)

وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالىٰ: أنه إذا صار الظل قامة يخرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر حتى يصير الظل قامتين وبينهما وقت مهمل. (المبسوط للسرخسى: ۱۴۳/۱، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، دار المعرفة. انيس)

==

سایۂ اصلی کا خیال نہ رکھتے ہوئے مثل اول پر نماز پڑھنے والوں کی نماز کا حکم:

سوال: لکڑی کا سایہ دوگنا ہونے پر اہل حدیث لوگ عصر کی نماز پڑھتے ہیں، وہ سایہ اصلی کا خیال نہیں رکھتے ہیں، ان کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

اہل حدیث کے نزدیک ایک مثل سایہ پر سوائے سایہ اصلی کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب ہر شئی کا سایہ دو مثل ہو جائے، سوائے سایہ اصلی کے، تب عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حنفی کو اہل حدیث کے پیچھے ایسی نماز ان کے مذہب کے مطابق نہیں پڑھنی چاہئے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۷/۵)

مجبوری کے وقت ایک مثل سایہ کے بعد عصر کی نماز پڑھنا:

سوال: بس کا وقت ایسا ہے کہ اگر مذہب حنفی کے موافق عصر کی نماز پڑھی جائے، تو بس چھوٹ جاتی ہے اور اگر نہ پڑھی جائے، تو درمیان میں اتنا وقت نہیں ملتا کہ نماز پڑھی جاسکے، ایسی پریشانی کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ایک مثل سایہ ہو جانے کے بعد عصر کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ

بس سے سفر کرنے میں مذکورہ پریشانی ہو، تو ریل سے سفر کیا جائے اور اگر ریل سے بھی سفر کرنے میں یہ پریشانی اور الجھن پیش آتی ہو، تو مجبوری کی وجہ سے ایک مثل سایہ کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول بھی

== إن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديًا للصلوتين فى وقتهما بالإجماع.(البحر الرائق، كتاب الصلاة: ٥٢٤/١، انيس)

(١) "وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى، فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدى، عليه الإجماع ... ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط فى مواضع الخلاف، وإلا فلا ... فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعى فى الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، مطلب فى الاقتداء بشافعى ونحوه هل يكره أم لا؟: ٥٦٣/١، سعيد)

"ولا خصوصية للشافعية، بل الصلاة خلف كل مخالف للمذهب كذلك لايصح". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الامامة: ٦١٣/١، رشيدية)

(٢) (والظهر من زوالها) أى يدخل وقت الظهر من زوال الشمس عن كبد السماء حتى يصير ظل كل شىء مثليه سوى فىء الزوال عند أبى حنيفة رضى الله عنه، لإمامة جبرئيل عليه السلام للعصر فى اليوم الثانى حين صار ظل كل شىء مثليه وعندهما: حتى يصير ظل كل شىء مثله، لإمامته عليه السلام للعصر فى اليوم الأول حين صار ظل كل شىء مثله وهو قول زفر والشافعى. (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك، كتاب الصلاة: ١٠٥/١. انيس)

ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۱۲-۱۳)

سفر کی وجہ سے عصر کو مثل ثانی میں پڑھنا:

سوال:(۱) ایک آدمی سفر پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور ظہر کی نماز کے بعد تیاری وغیرہ میں اسے اتنی دیر ہوگئی کہ مثل ثانی شروع ہوگئی اور اس نے عصر کی نماز اس خیال سے ادا کرلی کہ راستہ میں شاید نہ پڑھ سکوں اور قضا ہوجائے گی۔تو کیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۲) سفر پر جانے والا عصر کی نماز سفر میں اس وقت ادا کرتا ہے، جب کہ سورج غروب ہونے والا ہے یا کچھ غروب ہوگیا ہے اور کچھ نظر آرہا ہے، یعنی آدھا سورج نظر سے اوجھل ہے۔کیا اس صورت میں اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

(محمد لطف اللہ خالد لاہوری)

الجواب

(۱-۲) دونوں صورتوں میں نماز ادا ہوجائے گی۔

وفی العالمگیریة، ج:۱،ص:۵۲،وفتاویٰ رحیمیة، ج:۵،ص:۱۲:

وعند احمرارها إلیٰ أن تغیب إلا عصر یومه ذلک فإنه یجوز أداء ہ عند الغروب،هکذا فی فتاویٰ قاضی خان.فقط واللہ أعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، جامعہ خیر المدارس، ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتا۔(خیر الفتاویٰ:۲/۱۸۹-۱۹۰)

تین بجے عصر کی اذان دینا صحیح نہیں:

---

(۱) عبداللّٰہ بن رافع مولیٰ أم سلمة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه سأل أباهریرة عن وقت الصلوٰة فقال أبوهریرة أنا أخبرک:صلی الظهر إذا کان ظلک مثلک،والعصر إذا کان ظلک مثلیک،والمغرب إذا غربت الشمس والعشاء مابینک وبین ثلث اللیل صل الصبح بغبس یعنی الغلس. (موطا الإمام مالک،وقت الصلوٰة،باب وقوت الصلاة (ح:۹) قال عبدالقادر الأرناؤوط:روی موقوفا ومرفوعا وهو حدیث حسن،أقول:روی عنه فی المعروف موقوفا کما عند مالک فی موطاه إلا أنه روی عنه مرفوعا أیضا،کما ذکره ابن عبدالبر فی التمهید. (التعلیق الممجد شرح الموطا:۱/۱۵۱-انیس)

(۲) والأحسن ما فی السراج عن شیخ الإسلام أن الاحتیاط أن لا یؤخر الظهر إلی المثل وأن لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلاتین فی وقتهما بالإجماع، وانظر هل إذا لزم من تأخیره العصر إلی المثلین فوت الجماعة یکون الأولی التأخیر أم لا؟ والظاهر الأول بل یلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام.(رد المحتار،کتاب الصلاة،مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام قبل البعثة:۱/۲۴۰، نعمانیه،دیوبند)

سوال: ایک صاحب عصر کی اذان تین بجے دیتے ہیں اور دلیل دیتے ہیں حدیث جبرئیل سے، کیا تین بجے عصر کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا تو اذان صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ حامدا و مصلیا و مسلما

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مثل اول پر عصر کا وقت نہیں ہوتا، بلکہ مثلین پر ہوتا ہے، (۱) یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اس کے مطابق تین بجے عصر کا وقت نہیں ہوتا، جو صاحب تین بجے عصر کی اذان دیتے ہیں، اگر وہ حنفی ہیں تو ان پر امام صاحب کی پیروی ضروری ہے، اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ (۲)

کیوں کہ مثلین پر عصر کی نماز پڑھنے میں نہ کسی حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے، نہ کسی امام کا مذہب ترک ہوتا ہے، اور اس سے پہلے مثلا تین بجے اذان دینے اور نماز پڑھنے پر بعض احادیث کے مطابق اور امام صاحب کے مذہب کے موافق اذان و نماز صحیح نہ ہوگی، اور فریضہ باقی رہ جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۲۸۱)

حرمین شریفین میں مثلین سے قبل نماز عصر پڑھنے کا حکم:

سوال: لوگ جب حج یا عمرہ کے لئے حرمین شریفین جاتے ہیں تو وہاں عصر کی نماز مثلین سے قبل ہوتی ہے، تو کیا ہم لوگ جماعت میں شامل ہو کر عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا مثلین تک تاخیر کریں؟

الجواب ــــــــــــــ

عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے، اگر چہ اس میں جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو، مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں با جماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔ (۱)

قال العلامة ابن عابدینؒ: (وعليه عمل الناس اليوم) وانظر هل إذا لزم من تأخيره العصر إلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولى التأخير أم لا؟ والظاهر الأول، بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام. (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، أوقات الصلوٰة: ۱/۳۵۹، دار الفكر، بيروت) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۴۱-۴۲)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام. (الصحيح للبخاري كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة (ح: ۱۱۳۳) انیس)

جماعت عصر مثلین سے قبل ہو تو کیا کرے:

سوال: حرمین شریفین میں نماز عصر کی جماعت مثلین سے قبل ہوتی ہے، آیا جماعت ترک کر کے مثلین کے بعد نماز اکیلے پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قال فی الشامية: وانظر هل إذا لزم من تأخيره العصر إلی المثلين فوت الجماعة يكون الأولیٰ التأخير أم لا، والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام، تأمل. (رد المحتار: ۳۳۳/۱)

اس سے ثابت ہوا کہ مثلین کے بعد نماز عصر پڑھنا افضل ہے، اگرچہ جماعت فوت ہو جائے، مگر یہ حکم عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی فضیلت (۱) کے پیش نظر وہاں جماعت ترک نہ کی جائے، بلکہ مثل ثانی کے اندر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۴۵/۲)

مثلین سے پہلے عصر کی نماز:

سوال (۱) آج کل ہمارے یہاں ساڑھے چھ بجے غروب آفتاب ہے، اب اگر مسجد میں ساڑھے چار بجے اذانِ عصر اور جماعت پونے پانچ بجے ہو، تو فقہ حنفی کی رو سے یہ اذان اور جماعتِ عصر دونوں قبل از وقت سمجھی جائیں گی، اور دونوں واجب الاعادہ ہوں گی، یا صرف اذان قبل از وقت سمجھی جائیگی اور عصر کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

عصر اور مغرب کے درمیان فاصلہ کتنا ہے:

(۲) سایۂ اصلی چھوڑ کر ابتدائے مثلین سے غروبِ آفتاب تک دو گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے، یا پونے دو گھنٹہ کا اور

---

(۱) عن ميمونة زوج النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قالت: من صلی فی مسجد رسول اللّٰه، فإنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول الصلوٰة: "فيه أفضل من ألف صلاة فيماسواه إلا مسجد الكعبة". (سنن النسائی، كتاب المساجد، باب فضل الصلاة فی المسجد الحرام (ح: ۶۹۱) انیس)

(۲) " اعلم أن الروايات عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ اختلفت فی آخر وقت الظهر، روی محمد عنه: " إذا صار ظل كل شیء مثليه سوی فیء الزوال، خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وهو الذی عليه أبو حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ". (العناية شرح الهداية علیٰ هامش فتح القدير، باب المواقيت: ۲۱۹/۱، مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر)

(۳) وروی الحسن عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أن آخر وقتها إذا صار ظل كل شیء مثله سوی فیء الزوال، وهو قول أبی يوسف ومحمد وزفر والحسن والشافعی. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فی بيان شرائط الأركان: ۵۶۱/۱، دار الكتب العلمية، بيروت. انیس)

کس موسم میں یہ فاصلہ دو گھنٹہ کا ہوتا ہے؟

(۳)　ابتدائے مثلین سے غروبِ آفتاب تک کا درمیانی فاصلہ گرمی سردی وغیرہ اختلافِ موسم کی بنا پر بدلتا رہتا ہے یا ہمیشہ یکساں ہی رہتا ہے؟ اگر درمیانی فاصلہ بدلتا ہے، تو کس موسم میں کس جگہ، تقریباً کتنے منٹ کا فرق رہتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱)　اگر مثلین پر جماعت عصر ہوئی تو بالاتفاق اس کا اعادہ نہیں، (۲) اذان کچھ پہلے ہوئی ہو، تو اس کی وجہ سے جماعت کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ مثلین سے کچھ پہلے مثلِ واحد کے بعد جو جماعت ہو جائے، اس کا بھی ایک قول پر اعادہ نہیں۔ (۳)

علمائے احناف حرمین شریفین میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کرتے، جو کہ بالیقین مثلین سے پہلے ہوتی ہے۔

(۲)　یہ سب جگہ اور ہمیشہ یکساں نہیں۔ (۱)

(۳)　بدلتا رہتا ہے، سردی میں کم ہوتا ہے، مقامات کے لحاظ سے تفاوت بھی مختلف ہوتا ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۴۱-۳۴۲)

عصر کا وقت:

سوال: کچھ لوگ یہاں پر نماز عصر ایک مثل پر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اول وقت یہی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے اور بیٹھے رہتے ہیں اور دیر کر کے علیحدہ جماعت کرتے ہیں۔ اس صورت میں صحیح

(۱)　" ويختلف باختلاف الزمان والمكان". (الدر المختار) وقال ابن عابدينؒ: "(قوله: ويختلف باختلاف الزمان والمكان): أي طولاً وقصرًا أو انعداماً بالكلية، كما أوضحه ح". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۶۰، سعيد)

(۲)　" ولكنا نستدل بقوله تعالىٰ: " لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ " (سورة الإسراء: ۷۸): أي لزوالها، والمراد من الفيء مثل الشراک الفيء الأصلي الذي يكون للأشياء وقت الزوال، وذلک يختلف باختلاف الأمكنة والأوقات، فاتفق ذلک القدر في ذلک الوقت". (المبسوط، كتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلوٰة: ۱/۲۸۹، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۳)　عن عبدالله بن رافع مولىٰ أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنه سأل أباهريرة عن وقت الصلوٰة؟ فقال أبوهريرة: أنا أخبرک: صلى الظهر إذا كان ظلک مثلک، والعصر إذا كان ظلک مثليک، والمغرب إذا غربت الشمس والعشاء ما بينک وبين ثلث الليل صل الصبح بغبس يعني الغلس. (موطأ الإمام مالک، باب وقوت الصلاة (ح: ۹) انيس)

(۴)　ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۳۳، ظفير

کیا بات ہے؟

الجواب

احتیاط اس میں ہے کہ نماز عصر دو مثل سے پہلے نہ پڑھیں۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔چنانچہ شرح منیہ میں احادیث صحیحہ امام صاحب کے مذہب کی دلیل میں نقل فرمائی ہیں۔(۳)
شامی میں ہے:

" إن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضاً كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية،الخ. (۴)

پس اچھا وہی لوگ کرتے ہیں جو ایک مثل پر عصر نہیں پڑھتے بلکہ دو مثل کا انتظار کرتے ہیں، کیونکہ عبادات میں احتیاط لازم ہے۔ایک مثل پر پڑھنے میں شبہ وقت سے پہلے پڑھنے کا ہے اور دو مثل پر پڑھنے میں بے شبہ نماز وقت میں ہوتی ہے۔پس شبہ میں پڑنا احتیاط کے خلاف ہے۔(۱) خصوصاً امر عبادات میں اور تاخیر عصر میں متعدد احادیث وارد ہیں، ایک مثل پر پڑھنے میں یہ فضیلت بھی ترک ہوتی ہے۔لہٰذا جو لوگ ایک مثل پر جماعت کرتے ہیں ان کو فہمائش کرنی چاہئے کہ بعد دو مثل کے نماز پڑھا کریں تا کہ اس وقت سب شریک ہو جاویں۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۵۶-۵۷)

وقتِ عصر:

سوال: کس قدر حصہ دن کا گزرنے سے وقت نماز عصر شروع ہوتا ہے؟

الجواب

عصر کے متعلق کسی خاص حصہ دن کی نہ مجھ کو تحقیق ہے نہ تجربہ ہے، اتنی پہچان معلوم ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ایک لکڑی ہموار زمین میں کھڑی کر کے اس کا سایہ ناپ لیں وہ مقدار سایہ کی اور اس لکڑی سے دو حصہ اور سایہ جب

(۱) وأبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ يقول:الأخذ بالاحتياط فى العبادات أصل.(المبسوط للسرخسى،كتاب الصلاة،اقتداء المسافربالمقيم: ۱/۲۴۶،دار المعرفة بيروت.انيس)

الأخذ بالاحتياط فى باب العبادات واجب.(المبسوط للسرخسى،دار المعرفة:۳/۱۱۲)

وترک مايشک فيه أصل عظيم فى الورع.(فتح البارى لابن الحجر،قوله:باب ماينتزه: ۴/۲۹۳.انيس)

(۲) قال المشائخ :ينبغى أن لايصلى العصرحتى يبلغ المثلين ولايؤخر الظهر إلىٰ أن يبلغ المثل ليخرج من الخلاف فيهما، الخ.(غنية المستملى،ص: ۲۲۵،ظفير)

(۳) اس قاعدۂ کلیہ کی تفصیل امداد الفتاویٰ سوال نمبر:۱۵۲،ص:۱۵۲، کے جواب میں ملاحظہ فرمائی جائے۔سعید پالنپوری (جو فتاویٰ علماء ہند جلد چہارم میں گذشتہ صفحات میں بعنوان ''طریق معرفت وقت ظہر وعصر وغروب'' بحوالہ امداد الفتاویٰ درج ہے۔انیس)

ہوجاوے عصر کا وقت آ گیا۔ ہر موسم میں یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ (۳) واللہ اعلم

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۶۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۴۹-۱۵۰)

عصر کا وقت:

سوال: مثلین کے بعد جو نماز عصر بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادا کرتے ہیں از روئے روایات اور فقہ کے یہ قوی قول ہے یا ایک مثل کی روایت، اور جو امام ایک مثل پر نماز عصر ادا کرتا ہے اور اس کے پیچھے بعضے مقتدی اس کے ہم خیال ہیں کہ وہ ایک مثل پر نماز عصر کو جائز سمجھتے ہیں اور بعضے مقتدی کا عقیدہ اور تحقیق مثلین کی ہے اور وہ اس کے پیچھے بوجہ نادانستگی وقت یا بوجہ فساد نہ ہونے کے پڑھتے ہیں، ان کی نماز عصر ادا ہوگی یا اعادہ فرض ہوگا اور یہ نفل ہوگی اور ایسا امام ایسے دو قسم کے لوگوں کی مسجد میں امامت کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا یا مقتدی اس کو امامت سے علیٰحدہ کر کے دوسرا امام کہ جو مثلین کے بعد نماز عصر پڑھایا کرے مقرر کریں تا کہ یقیناً سب کی نماز ہوجاوے یہ کرنا ان کے یا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہوگا اور ایسا انتظام نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا یا نہیں بدلائل و بحوالۂ کتب معتبرہ حدیث و فقہ ارقام فرمائیں؟

الجواب

متون کی روایت مثلین کی ہے، (۱) اور اصل مذہب متون ہی میں ہوتا ہے، **کما هو مقرر و مصرح**، اور گو بعض نے مثلِ درمختار وغیرہ کے، ایک مثل کو ترجیح دی ہے۔ مگر محققین نے اس ترجیح کو نہیں مانا، چنانچہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس پر کلام مبسوط کیا ہے۔ (ج: ۱، ص: ۲۷۱، میں)

اور نیز براءۃ ذمہ یقینی بھی اسی میں ہے، پس یہی احوط بھی ہوا، اور عصر ایک مثل پر پڑھنے سے اس کی صحت اختلافی ہوگی، اس لئے فساد یا وجوب اعادہ کا یقینی حکم تو نہیں کر سکتے۔

اسی طرح اس امام پر حکم عاصی ہونے کا یقیناً نہیں لگا سکتے، اسی طرح اس کے وجوب عزل کا بذمہ متولی یا جماعت کے یقینی حکم نہیں کر سکتے کہ اختلافیات میں، پھر خصوص جبکہ ایک ہی مذہب کے اقوال مختلفہ ہوں اور دونوں جانب میں اکابر ہوں، ایسے احکام کا قطع مشکل ہے۔ البتہ ایسی عصر کے اعادہ کا اولیٰ ہونا اسی طرح ایسے امام کے لئے تاخیر کا امر کرنا اور درصورت عدم امتثال دوسرے امام کا معین کر دینا، یہ سب احکام درجہ احوط و افضل میں ضرور ہیں۔

چنانچہ **ردالمحتار** کی یہ روایت اس کی مؤید صریح ہے:

---

(۱) **الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلاة/ كذا فى الإختيار لتعليل المختار، كتاب الصلاة، أوقات الصلوات الخمس: ۱/۵۱-انيس)**

وانظر هل إذا لزم من تأخيره العصر إلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولى التأخير أم لا والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام،تامل،ثم رأيت في آخر شرح المنية ناقلا عن بعض الفتاوىٰ أنه لو كان إمام محلته يصلى العشاء قبل غياب الشفق الأبيض فالأفضل أن يصليها وحده بعد البياض. (مطلب فى تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/ ۳۷۲)**و الله أعلم** (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۰-۱۵۱)

عصر کی نماز کا وقت:

سوال: حنفیہ کے نزدیک، نمازِ عصر کا ابتدائی وقت، انگریزی مہینوں کے حساب سے، یعنی جنوری میں جو وقت ہے، کب تک رہے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

یہ وقت بلکہ کوئی وقت ایسا نہیں جو گھڑی کے اعتبار سے یکساں ہو، بلکہ طلوع وغروب کے اعتبار سے مختلف شہروں کا وقت متفاوت ہے۔(۱)

اس لئے آپ اپنے شہر کے طلوع وغروب کا سالانہ نقشہ کسی کتب خانہ سے لے کر رکھ لیں، عامۃً تاجر لوگ دیگر کتب کی طرح یہ نقشہ بھی برائے فروخت رکھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۳۵)

عصر کے وقت ابتدا کی تحقیق:

سوال: امر ضروری یہ ہے کہ عصر کے وقت شروع ہونے کے متعلق علماء دین وشرع متین کیا فرماتے ہیں، آیا امام صاحبؒ کے قول کی بناء پر وقت مثلین سایہ کے بعد سے شروع ہوتا ہے، یا بر بناء قول صاحبینؒ کے مثل سایہ پر، ان دونوں اقوال میں حنفیوں کا فتویٰ جس پر ہو تحریر فرمایا جاوے، اگر احناف کا عمل امام صاحب کے قول مثلین پر ہے تو حنفی جناب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مثل والی حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں، کارڈ میں جگہ ہونے کی صورت میں اگر مسئلہ مذکورہ کی قدرے دلیل بھی ارقام فرمادیں تو نہایت ممنونِ احسان ہوں گا اور تابعدار کی تشفی خاطر کا باعث۔

جناب مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مدنی جونپوری مرحوم مغفور اپنے رسالہ مسمی بعرف الاوقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حنفیوں کا عمل درآمد صاحبین کے قول مثل سایہ پر ہونا چاہئے، اس لئے کہ امام صاحب آخر زمانہ میں اس قول کی

(۱) **"تنبيه: قال في الفيض: "ومن كان علىٰ مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لايفطر ما لم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله، وكذا العبرة فى الطلوع فى حق صلاة الفجر أو السحور".** (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ۲/ ٤۲۰، سعيد)

طرف رجوع ہوئے ہیں، آخر یہ کہاں تک صحیح ہے، واقع میں یہ صحیح ہے کہ امام صاحب آخر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع ہو گئے تھے یا نہیں؟ مولانا موصوف کی تحریر تابعدار کے لئے کافی طور پر تسلی بخش اس لئے نہیں ہوئی کہ مولانا کے عقائد اور میرے عقائد میں فرق ہے، یعنی بندہ تقلید کا قائل ہے اور مولانا اس کے خلاف تھے، محض خادم کو اس مسئلہ کے متعلق حنفیوں کے یہاں کی تحقیق مقصود ہے۔

الجواب

قال في مراقي الفلاح: ووقت الظهر من زوال الشمس إلى وقت العصر، وفيه روايتان عن الإمام في رواية إلى قبيل أن يصير ظل كل شئ مثليه سوى فئ الزوال لتعارض الآثار وهو الصحيح وعليه جل المشائخ والمتون، آه.

قال المحشي الطحطاوي: قوله لتعارض الآثار بيانه أن قوله صلى الله عليه وسلم في الحديث المتفق عليه "أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم" يقتضي تأخير الظهر عن المثل لأن أشد الحر في ديارهم وقت المثل وحديث إمامة جبريل في اليوم الأول يقتضي انتهاء وقت الظهر بخروج المثل لأنه صلى به صلى الله عليه وسلم العصر في أول المثل الثاني فحصل التعارض بينهما فلا يخرج وقت الظهر بالشك وتمامه في المطولات، آه. (ص: ۱۱۹)

قلت: وفي حديث إمامة جبريل اضطراب أيضا كما بينته في الجزء الثاني من إحياء السنن.

قال: وقوله وهو الصحيح صححه جمهور أهل المذهب وقول الطحاوي: وبقولهما نأخذ يدل على أنه المذهب وفي البرهان قولهما هو الأظهر فقد اختلف الترجيح، آه.

قال في مراقي الفلاح: والرواية الثانية أشار إليها بقوله أو مثله مرة واحدة سوى ظل الاستواء ... واختار الثاني الطحاوي وهو قول الصاحبين أبي يوسف ومحمد لإمامة جبريل العصر فيه ولكن علمت أن أكثر المشائخ على اشتراط بلوغ الظل مثليه والأخذ به أحوط لبراءة الذمة بيقين إذ تقديم الصلوٰة عن وقتها لا يصح وتصح إذا خرج وقتها فكيف والوقت باق اتفاقاً. (۱)

ان عبارات سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) امام صاحب سے بھی ایک روایت مثل واحد کی ہے۔

(۲) حنفیہ نے دونوں روایتوں کی تصحیح کی ہے، ترجیح میں اختلاف ہے۔

---

(۱) مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، مدخل: ۷۲/۱. انیس

(۳) لیکن احتیاطاً جمہور مشائخ حنفیہ کا عمل مثلین کی راویت پر ہے۔ (بلکہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسجد میں عصر کی نماز مثل واحد پر ہوتی ہے، اور مثلین کے انتظار سے فوت جماعت لازم آتا ہو تو افضل بلکہ لازم یہ ہے کہ مثلین کا انتظار کرے اور تنہا نماز پڑھے۔

وهذا نصه،(قوله:وعليه عمل الناس اليوم)أى فى كثيرمن البلاد والأحسن مافى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهرإلى المثل وأن لايصلى العصرحتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلوتين فى وقتهما بالإجماع.

وانظرهل إذا لزم من تأخيره العصرإلى المثلين فوت الجماعة يكون الأولٰى التأخيرأم لا والظاهرالأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام تأمل،ثم رأيت فى آخرشرح المنية ناقلاً عن بعض الفتاوىٰ أنه لوكان إمام محلته يصلى العشاء قبل غياب الشفق الأبيض فالأفضل أن يصليها وحده بعد البياض،آه.(مطلب فى تعبده عليه الصلاة والسلام : ۱/۳۷۲)

ان عبارات میں حدیث جبرئیل کا جواب بھی مذکور ہے اور ہم کو امام صاحب کا آخر عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرنا ثابت نہیں ہوا، مولانا سخاوت علی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ لکھا ہو تو بتلایا جاوے، ورنہ محض ان کا لکھ دینا کافی نہیں۔ شامی نے شفق احمر کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ امامؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، پھر بعد میں اس کو بھی رد کر دیا ہے۔ (ص:۳۷۳ ج:۱) مثلین کے مسئلہ میں امام کا رجوع ثابت نہیں۔(۱)

۳ر شوال ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۱۶-۱۸)

عصر کے وقت کی تحقیق:

سوال: اذان عصر کے متعلق صحیح قول حضرت امام ابوحنیفہؒ کا کیا ہے؟ آیا سایۂ اصلی چھوڑ کر ایک سایہ یا دو؟ اور دو

(۱) بلکہ حسن بن زیاد کی امام صاحب رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة،فصل فى بيان شرائط الأركان: ۱/۵٦۱،دارالكتب العلمية، بيروت، ودیگر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ انیس

(۲) عن أبى بردة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم...ويصلى الظهرإذازالت الشمس.(الصحيح للبخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة،باب وقت الظهرعندالزوال(ح:۵۱٦)انيس)

(۳) عن أبى ذرقال:أذن مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهر فقال النبى صلى الله عليه وسلم أبردأبرد، أو انتظر انتظر، وقال إن شدة الحر من فيح جهنم فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة ، قال أبوذر:حتى رأينا فيء التلول.(الصحيح لمسلم كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة،باب استحباب الإبرادبالظهرفى شدةالحر لمن يمضى إلى جماعة وينا له الحرفى طريقه (ح:٦١٦)انيس)

(۴) أخبرنى ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:أمنى جبرئيل عند البيت مرتين فصلى الظهر ...==

سایہ کا قول صحیح ہے، تو جو لوگ ایک سایہ پر اذان دیتے ہیں، ان کی اذان صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق حامدًا و مصلیًا

ظہر کے اول وقت میں جمہور علماء امت کا اتفاق ہے کہ زوال کے بعد سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، (۲) لیکن آخری وقت میں علما مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موافق دلیل ایک حدیث (۳) کے ظہر کا آخری وقت سایہ اصلی کے سوا دو مثل تک رہتا ہے اور صاحبینؒ و امام زفرؒ و ائمۂ ثلاثہؒ و امام طحاویؒ وغیرہ اماموں کا یہ مذہب ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ (۴)

اور ایک مثل کی روایت خود حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے اور احادیث نبویہ پر غائر نظر ڈالتے ہوئے یہی مذہب قوی معلوم ہوتا ہے، (۱) اس لئے اکثر علما نے ایک مثل کے مذہب کو قوی ٹھہرا کر فتویٰ دیا ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر اگر پڑھ لی جائے، تو یقیناً ادا ہو جائے گی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن علما محققین نے لکھا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ زوال کے بعد سایۂ اصلی چھوڑ کر ایک مثل کے اندر جمعہ وظہر پڑھ لینی چاہئے، اور عصر دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے، (۲) لیکن سایہ اصلی کے بعد ایک مثل پر مفتیٰ بہ روایت کے موافق عصر کا وقت ہو جاتا ہے اور خود ایک مثل کی روایت صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی موجود ہے، (۳) اور صاحبین ودیگر ائمہ احناف کا صحیح وقوی مسلک یہی ہے، تو اگر کوئی حنفی ایک مثل پر عمل کرے تو ہرگز ہرگز قابل اعتراض نہیں،

== فی الأولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالأمس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الأول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین أسفرت الأرض ثم التفت إلی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الأنبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی مواقیت الصلوة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، ابواب الصلوة (ح: ۱۴۹)/ سنن أبی داؤد، باب المواقیت (ح: ۳۹۳) انیس)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان شرائط الأرکان: ۵۶۱/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت. انیس

(۲) قال المشایخ: ینبغی أن لایصلی العصر حتی یبلغ طولیی الشیء ولایؤخر الظهر إلی أن یصیر طوله لیخرج من الخلاف فیهما. (فتح القدیر، کتاب الصلوٰة، باب مواقیت الصلاة: ۲۰۰/۱. انیس)

(۳) الهدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الصلوٰة، باب مواقیت الصلاة. انیس

(۴) الدر المختار علی صدر رد المحتار، أول کتاب الصلاة، مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱۴/۲.

اگرچہ احوط ظہر کا ایک مثل کے قبل اور عصر کا دومثل کے بعد پڑھنا ہے۔

"(ووقت الظهر من زواله)... (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ، وفى غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفى البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص فى الباب، وفى الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتىٰ. (الدر المختار) (۴) **فقط والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم** (مرغوب الفتاویٰ: ۱۱۶/۲-۱۱۷)

عصر کے مستحب وقت کی تحقیق:

سوال: یہاں ایک مولوی صاحب عصر کی نماز بہت دیر سے پڑھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عند الاحناف تاخیر "**مالم تتغير الشمس بأن لاتحار فيها الأعين**" مستحب ہے۔ حوالہ میں فرماتے ہیں کہ ہدایہ میں اس قسم کی حدیث ہے۔ کیا مولوی صاحب کا یہ خیال درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

ہدایہ میں وقت ظہر سے متعلق تو حدیث ہے، عصر کے بارے میں کوئی حدیث نہیں، بلکہ خود ہدایہ کی عبارت ہے۔ عصر کے وقت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے خلاف ہیں، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ خود صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور امام صاحب سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ مگر امام صاحب کے قول مشہور مثل ثانی کے بعد وقت عصر شروع ہوتا ہے۔ (۱)

قال الحافظ العينى رحمه الله تعالىٰ: وعند أبى يوسف ومحمد إذا صار ظل كل شئى مثله يخرج وقت الظهر ويدخل وقت العصر وهى رواية الحسن بن زياد عنه وبه قال مالك والشافعى وأحمد والثورى واسحٰق رحمهم الله تعالىٰ (إلى أن قال) قال القرطبى: خالف الناس كلهم أباحنيفة فيما قاله حتى أصحابه، الخ. (عمدة القارى، ج: ۲) (۲)

---

(۱) وأوّل وقت الظهر إذا زالت الشمس لإمامة جبريل فى اليوم الأول حين زالت الشمس وآخر وقتها عند أبى حنيفة إذا صار ظل كل شئ مثليه سوى فئ الزوال وقالا اذا صار الظل مثله وهو رواية عن أبى حنيفة وفئ الزوال هو الفئ الذى يكون للأشياء وقت الزوال، لهما إمامة جبريل فى اليوم الأوّل للعصر فى هذا الوقت ولأبى حنيفة قوله: أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم وأشد الحر فى ديارهم فى هذا الوقت، وإذا تعارضت الأثار لاينقضى الوقت بالشك وأول وقت العصر إذا خرج وقت الظهر على القولين وآخروقتها ما لم تغرب الشمس لقوله عليه السلام: من أدرك ركعةً من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدركها. (الهداية، كتاب الصلوٰة باب المواقيت. انيس)

(۲) كتاب الصلاة، باب وقت العصر: ۳۳/۵. دار الكتب العلمية، انيس

پس تاخیر عصر کے قول میں چند وجوہ کا احتمال ہے۔

(۱) کتب فقہ میں تاخیر عصر کے بیان سے مقصد یہ ہے کہ مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے، جس سے مقصود صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے خلاف امام صاحب کے قول کو ترجیح دینا ہے۔ غرضیکہ تعجیل عصر سے مراد مثل اول کے بعد اور تاخیر سے مراد مثل ثانی کے بعد پڑھنا ہے۔

قال العلامة العينى رحمه الله تعالىٰ ويؤيد ماقاله أبوحنيفة حديث على بن شيبان رضى الله تعالىٰ عنه قال: قدمنا علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر مادامت الشمس بيضاء نقية، رواه أبو داؤد وابن ماجة. وهذا يدل علىٰ أنه كان يصلى العصر عند صيرورة ظل كل شىء مثليه وهو حجة علىٰ خصمه، وحديث جابر رضى الله تعالىٰ عنه، صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم العصر حين صار ظل كل شىء مثليه قدر مايصير الراكب الىٰ ذى الحليفة العنق، رواه ابن أبى شيبة بسند لابأس به. (عمدة القارى، ج: ۲)(۱)

علامہ بدرالدین کا اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ امام صاحب کے مذہب میں مثل ثانی کے اختتام تک تاخیر کرنا چاہئے۔

(۲) کتب فقہ میں جہاں تاخیر عصر کا ذکر ہے، وہاں اس کی علت بھی مذکور ہے۔

قال فى الهداية: لما فيه من تكثير النوافل لكراهتها بعده. (۲)

وفى العناية: وتكثير النوافل أفضل من المبادرة إلى الأداء فى أول الوقت. (۳)

وفى شرح التنوير: توسعة للنوافل. (۴)

وفى الشامية: أى لكراهتها بعد صلاة العصر". (۵)

سو جب عصر سے پہلے نوافل پڑھنے والے لوگ موجود ہی نہ ہوں، تو عصر میں تاخیر بھی افضل نہ ہوگی۔

(۳) تکثیر نوافل کی غرض سے بھی اتنی تاخیر کرنا چاہئے کہ عصر کی نماز کے بعد پیدل چلنے والا شخص غروب آفتاب سے پہلے چھ میل کی مسافت طے کر سکے یعنی غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل نماز پڑھ لینا چاہئے۔

روى الإمام الطحاوى رحمه الله تعالىٰ فى شرح معانى الآثار عن أبى أروى قال: كنت أصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم العصر بالمدينة ثم أتى الشجرة ذالحليفة قبل أن تغرب الشمس وهى على رأس فرسخين.

(۱) كتاب الصلاة، باب وقت العصر: ۳۳/۵. دار الكتب العلمية، انيس

(۲) الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة: ۴۱/۱. انيس

(۳) العناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، فصل يستحب الإسفار بالفجر: ۲۲۷/۱. انيس

(۴-۵) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۶۷/۱، دار الفكر. انيس

ففی هذا الحدیث إنه کان یسیر بعد العصر فرسخین قبل أن تغیب الشمس.

فقد یجوز أن یکون سیراً علی الأقدام وقد یجوز أن یکون سیراً علی الإبل والدواب.

فنظر نا فی ذلک(إلی قوله)قال: کنت أصلی العصر مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ثم أمشی إلی ذی الحلیفة فآتیهم قبل ان تغیب الشمس.ففی هذا الحدیث إنه کان یأتیها ماشیاً.

وأیضاً فیه:عن أبی مسعود رضی اللّٰه عنه قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی صلوٰة العصر والشمس بیضاء مرتفعة یسیر الرجل حین ینصرف منها إلی ذی الحلیفة ستة أمیال قبل غروب الشمس.

وأیضاً فیه:عن أبی الأبیض عن أنس رضی اللّٰه عنه قال :کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی صلوٰة العصر والشمس بیضاء محلقة.(إلیٰ قوله)فذلک دلیل علی أنه قدکان یؤخرها ثم یکون بین الوقت الذی کان یصلیها فیه وبین غروبها مقدار ماکان یسیر الرجل إلی ذی الحلیفة، الخ.

وأیضاً فیه والأولیٰ بنا فی هذه الاٰ ثار لماجاء ت هذا المجئی أن نحملها ونخرج وجوهها علی الإتفاق لا علی الخلاف والتضاد فنجعل التاخیر المکروه فیها هو ما بینه العلاء،عن أنس،ویجعل الوقت المستحب من وقتها أن یصلی فیه هومابینه أبو الأبیض عن أنس رضی اللّٰه تعالی عنه ووافقه علی ذلک أبومسعود رضی اللّٰه تعالی عنه.(شرح معانی الأثار،ج:۱)(۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کے بلند پایہ امام اور اعلم بمذہب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، بڑے درجے کے فقیہ اور محدث ہیں،ان کی مندرج بالا تحقیق وضاحت کررہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں تاخیر عصر اس وقت تک مستحب ہے کہ نماز کے بعد چھ میل کا سفر غروب سے پہلے پیدل کیا جاسکے،اسی کے مطابق علامہ عینی کی تحقیق بھی اوپر گذر چکی ہے۔ردالمحتار جیسے مذہب حنفی میں جملہ کتب فتاویٰ سے فائق سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ فتاویٰ کا معیار و مدار ہے،اس میں بھی تاخیر عصر سے متعلق امام طحاوی کی تحقیق کو اختیار کیا ہے۔فرماتے ہیں:

قال الإمام الطحاوی بعد ذکره ماروی فی التأخیر والتعجیل:لم نجد فی هذه الأثار مما صححت إلا مایدل علی تاخیر العصر ولم نجد ما یدل منها علی التعجیل إلا ماعارضه غیره فاستحببنا التاخیر ولو خلینا النظر لکان تعجیل الصلوٰت کلها أفضل ولکن اتباع ماروی عن

---

(۱)　شرح معانی الآثار:۱/۱۹۱-۱۹۲،کتاب الصلوٰة،باب وقت العصر،ط:عالم الکتب.انیس

(۲)　ردالمحتار،کتاب الصلاة:۱/۳۶۷،دارالفکر.انیس

(۳)　تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق،الأوقات التی یستحب فیهاالصلاة:۱/۸۳.انیس

رسول الله صلى الله عليه وسلم مما تواترت به الأخبار أولٰى وقد روى عن أصحابه ما يدل عليه ثم ساق ذلک وتمامه فى الحلية. (رد المحتار، ج: ۱)(۲)

مذکورہ عبارت میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ جس تاخیر کا بڑے پرزور الفاظ سے دعویٰ فرمارہے ہیں، یہ وہی تاخیر ہے جس کے بعد چھ میل پیدل سفر کیا جاسکے، **کماھو مفصل فی شرح معانی الأثار.**

نیز امام طحاوی کے قول "**ولو خلينا النظر**، الخ" سے معلوم ہوا کہ تاخیر عصر خلاف قیاس ہے۔لہذا اپنے مورد ہی پر منحصر رہے گی۔طحاوی کی ثابت کردہ تاخیر سے زیادہ تاخیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بھی ثابت نہیں، لہذا بمقتضائے قیاس اس سے زیادہ تاخیر کرنا خلاف استحباب ہوگا۔

کتب فقہ میں جولکھا ہے: "**ما لم تتغير الشمس بأن لا تحار فيها الأعين**" (۳) اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز اتنی تاخیر سے پڑھے کہ فارغ ہوتے ہی شمس متغیر ہوجائے اور اس سے پہلے پڑھنا خلاف استحباب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تغیر شمس سے قبل تک اجازت ہے (اگرچہ مستحب وقت وہ ہے جو امام طحاوی نے ذکر فرمایا) تغیر تک تاخیر مکروہ ہے۔پس اس سے مقصد کراہت کی ابتدا کا بیان ہے نہ کہ تاخیر مستحب کا، **کما يدل عليه ما نقلنا من عبارة الطحاوى فنجعل التاخير المكروه، الخ.**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل اور ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق صرف اتنی تاخیر مستحب ہے، کہ اس کے بعد پیدل چھ میل سفر غروب سے پہلے ہوسکے۔بعض دفعہ کتاب کی عبارت نہ سمجھنے سے انسان ضلالت میں پڑجاتا ہے۔

وكم من عائب قولاً صحيحاً   وآفته من الفهم السقيم (۱)

اس تحریر کا حاصل امور ثلاثہ ہیں:

(۱) خود مذہب حنفی میں چونکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے قائل ہیں کہ وقت عصر مثل اول سے شروع ہوجاتا ہے اور امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔پس مذہب حنفی میں مثل اول کے بعد عصر کی نماز درست ہے، اس لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مثل ثانی کے بعد عصر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔یعنی استحباب تاخیر سے مراد تاخیر **إلىٰ انقضاء المثل الثانى** ہے، تاکہ امام صاحب کے قول کی رعایت ہوجائے اور شبہ اختلاف سے احتراز کیا جائے۔

(۲) مثل ثانی ختم ہوجانے کے بعد زیادہ تاخیر اس لئے مستحب ہے کہ نوافل زیادہ پڑھ سکیں۔**فالحكم**

---

(۱) الأمثال السائرة من شعر المتنبى، قول المتنبى: ۳۵/۱. انیس

(۲) فإن الحكم يدور مع العلة المأثورة وجوداً وعدماً. (أصول السرخسى، فصل فى الركن: ۱۸۲/۲. انیس)

یکون دائراً مع علته. (۲)

(۳) تکثیر نوافل کی غرض سے عندالحنفیہ اتنی تاخیر کی جائے کہ بعد الصلوٰۃ غروب آفتاب سے پہلے چھ میل سفر پیدل کیا جاسکے۔ یعنی غروب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل نماز پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۳ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔ (احسن الفتاوی: ۲/۱۱۰-۱۱۳)

تاخیر عصر سے متعلق ''مفتاح الصلاۃ'' کی ایک عبارت کا مفہوم:

سوال: ''مفتاح الصلاۃ'' کی عبارت ہے:

''حدِ تاخیر تا نصف آخرِ وقت ست، چنانچہ حد تعجیل نصف اول وقت''۔ ذکرہ فی البحر الرائق وغیرہ۔

اس کے مطابق حدِ تعجیل پہلے آدھے وقت تک اور حد تاخیر دوسرے آخر وقت تک، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

کتاب مذکور کی دوسری عبارت: ''ومستحب در نماز عصر تاخیر ست، تا آنکہ فرض متغیر نشود در ہمہ ایام، یعنی در صیف وشتا

(۱) عن عبداللّٰہ بن عمروا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: وقت الظہر مالم یحضر العصر وقت العصر مالم تصفر الشمس. (الصحیح لمسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب اوقات الصلوات الخمس (ح: ۶۱۲)/سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ (ح: ۳۹۶)/سنن النسائی، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب آخر وقت المغرب (ح: ۵۲۲)/الصحیح لابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التغلیس لصلاۃ الفجر (ح: ۳۵۴)/مسند الإمام أحمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص (ح: ۶۹۲۷) انیس)

☆ **مذہب حنفیہ میں عصر کا صحیح وقت:**

سوال: مذہب حنفیہ میں عصر کے صحیح وقت کے بارہ میں ایک مثل کو زیادہ قوت حاصل ہے یا دو مثل کو مفتی بہ اور راجح قول کون سا ہے؟ کسی مسجد میں قبل از دو مثل عصر کی جماعت ہو رہی ہو، تو نماز ان کے ساتھ ادا کرے یا نہیں؟ اور اگر مل گیا تو عصر کے فرض ساقط ہوئے یا نہیں اور بعد دو مثل اپنی عصر کی نماز ادا کرے اور وہ لوگ جو قبل از دو مثل ادا کرتے ہیں، آثم ہوں گے یا نہیں؟

الجواب

بندہ کے نزدیک ایک مثل کو زیادہ قوت ہے۔ (واختلفوا فی آخر وقت الظہر فعندہما إذا صار ظل کل شیء مثلہ خرج وقت الظہر ودخل وقت العصر وہو روایۃ محمد عن أبی حنیفۃ رحمہما اللّٰہ تعالیٰ وان لم یذکرہ فی الکتاب نصاً فی خروج وقت الظہر. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ: ۱/۱۴۲، دار المعرفۃ، بیروت. انیس))

لہٰذا اگر ایک مثل میں کسی نے نماز پڑھ لی فرض عصر اس کے ذمہ سے ساقط ہوئے اور اعادہ جائز نہ ہوگا کہ نفل بعد نماز عصر منع ہیں، اگرچہ بعد مثلین کے نماز پڑھنا احوط ہے۔ للخروج عن الخلاف. (تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ==

وربیع وخریف درنصف آخر تا بکراہت نرسیدہ است مستحب است، مگر درایام کہ ابر باشد''۔

اس کے مطابق وقت مستحب عصر کتنی ساعت ولحظہ میں یہاں پر ہوگا، مراد نصف آخر سے وقت عصر اول سے تا وقت غروب میں ہے، یا وقت عصر دوم حنفیہ سے تا غروب میں ہے۔

الجواب

''مفتاح الصلاۃ'' میں جو لکھا ہے، وہ ٹھیک ہے، عصر کی نماز نصف آخر میں مگر آفتاب کا رنگ زرد ہونے سے پہلے پڑھی جائے، (۱) اور مراد نصف آخر سے عصر دوم حنفیہ کے مطابق نصف آخر ہے، اور یہ دو مثل سایہ ہونے سے آفتاب کے زرد ہونے کے ماقبل وقت میں قیاس کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدالوہاب کان اللہ لہ۔ (فتاویٰ باقیات صالحات: ۷) ☆

== قال المشايخ: ينبغي أن لايصلي العصر حتى يبلغ طولي الشيء ولايؤخر الظهر إلى أن يصير طوله ليخرج من الخلاف فيهما. (فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلاة: ۲۰۰/۱. انيس) فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۶)

نماز عصر کا صحیح وقت:

سوال: صلوٰۃ عصر اگر ایک مثل پر پڑھ لی جاوے، تو ہو جائے گی یا قابل اعادہ ہوگی؟

الجواب

ایک مثل کا مذہب قوی ہے، (اصحاب متون کے علاوہ علامہ ابن ہمام، قاسم بن قطلو بغا، علامہ حلبی کبیر، علامہ ابن نجیم، علامہ شامی وغیرہم نے امام صاحب کے مذہب کو قوی قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے! ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلوٰة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۳۵۹/۱. انيس) لہٰذا اگر ایک مثل پر عصر پڑھے، تو ادا ہو جاتی ہے، اعادہ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۶)

(۳) (ووقت العصر منه إلى) قبيل (الغروب). (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

(قوله منه): أي من بلوغ الظل مثليه على رواية المتن. (رد المحتار، أول كتاب الصلاة: ۱۶/۲)

(والعصر)... (منه) أي: من بلوغ الظل مثليه (إلى الغروب). (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة: ۱۵۹/۱. انيس)

"ومنها الوقت لأن الوقت كما هو سبب لوجوب الصلاة فهو شرط لأدائها، قال الله تعالىٰ: " اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" أي فرضًا مؤقتاً حتى لايجوز أداء الفرض قبل وقته". (بدائع الصنائع: ۳٤۹/۱)

عن كعب ... النبي صلى الله عليه وسلم ... فقال: هل تدرون مايقول ربكم؟ قال: قلنا الله ورسوله أعلم، قال: إنه يقول: من صلى الصلاة لوقتها فأقام حدها كان له به على عهد أدخله الجنة. الخ. (سنن الدارمي، من نام عن صلاة أو نسيها (ح: ۱۳٦٦)/المنتخب من مسند عبد بن حميد، كعب بن عجرة (ح: ۳۷۱)/مسند ابن أبي شيبة، حديث كعب بن عجرة عن النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ٥۱۲)/شرح مشكل الآثار (ح: ۳۱۷۳): ۱۹۹/۸. انيس) ==

عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے:

سوال: آج کل عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے چار یا سوا چار بجے عصر کی نماز پڑھی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

۶/ مارچ کو گیا میں عصر کا وقت سوا چار بجے شروع ہوجاتا ہے اگر اس وقت یا اس کے بعد کسی نے نماز پڑھی ہو تو نماز صحیح ہوئی اور اگر اس سے پہلے پڑھ لی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی، قضا پڑھنی ہوگی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۶/۸/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۰۸/۲)

کینیڈا میں عصر اور عشا کا وقت:

سوال (۱) یہاں امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نمازوں کے اوقات کا چارٹ چھپا ہوا ہے، آپ عصر کی نماز کا وقت حنفی مسلک کے مطابق متعین فرمادیں۔

== عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إنه سيكون أمراء يؤخرون الصلاة عن مواقيتها، ألآ! فصلِّ الصلاة لوقتها، ثم ائتهم فإن كانوا قد صلوا كنت أحرزت صلاتك وإلاصليت معهم فكانت لك نافلة. (سنن أبي داؤد الطيالسي، أحاديث أبي ذر رضي اللّٰه عنه (ح: ٤٥٠) انيس)

(۱) وفي جامع الترمذي، باب ماجاء في تأخير الظهر في شدة الحر، ص: ٢٢-٢٣، ج: ١ (طبع فاروقي كتب خانه):

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلوة فإن شدة الحر من فيح جهنم.

طریق استدلال یہ ہے کہ حجاز کی گرمی کا ابراد مثل اول پر نہیں ہوتا۔

وفيه أيضا: ص: ٢٣، ج: ١: عن أبي ذر، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كا ن في سفر ومعه بلال فأراد أن يقيم فقال أبرد ثم أراد أن يقيم فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أبرد في الظهر، قال: حتى رأينا فئ التلول، ثم أقام، فصلى، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن شدة الحر من فيح جهنم، فابردوا عن الصلوة.

وفي الصحيح للإمام البخاري، ج: ١، ص: ٧٦-٧٧ (طبع قديمي كتب خانه):

حتى ساوىٰ الظل التلول.

طریق استدلال یہ ہے کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے مساوی ہونے کا حاصل یہ ہے کہ عرب کے ٹیلے عموماً منبسط ہوتے ہیں اس لئے ان کا سایہ کافی دیر میں ظاہر ہوتا ہے اور ان کا سایہ اس وقت ایک مثل ہوتا ہے جبکہ دوسری چیزوں کا سایہ ایک مثل سے کافی زائد ہو چکا ہو۔ (دیگر احادیث اور مزید تفصیل کیلئے دیکھئے! فتح الملهم، ج: ٤، ص: ٢٩٧-٣٠٦ (مکتبہ دار العلوم کراچی) و درس ترمذی: ۳۹۵/۱)

(۲) یہاں کینیڈا میں غروب آفتاب کے بعد شفق احمر تو غائب ہوجاتا ہے؛ مگر شفق ابیض رات گیارہ بجے تک یا اس سے بھی دیر تک رہتا ہے، گیارہ بجے تک کا انتظار خاصہ مشکل ہے اور نماز عشا اکثر رہ جاتی ہے، یہ انتظار اس لئے بھی مشکل ہے کہ صبح جلدی اٹھنا پڑتا ہے۔ آپ فرمائیں کہ مغرب کے بعد جلد سے جلد عشا کی نماز کا وقت کب شروع ہوجاتا ہے؟

الجواب

(۱) عصر کی نماز کا وقت حنفی مسلک میں اس وقت ہوتا ہے جب زمین پر ہر چیز کا سایہ (سایہ اصلی کے علاوہ) دوگنا ہوجائے۔(۱) یہ وقت مختلف موسموں میں اور مختلف مقامات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اور وہاں ماہرین سے رجوع کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اگر وہاں مشکل ہو تو مولانا مفتی رشید احمد صاحب اشرف المدارس ناظم آباد کراچی: ۴، کو لکھ کر ان سے پورا نقشہ بنوایا جائے، ان کو اس میں مہارت ہے، احقر کو مہارت نہیں۔

(۲) صورت مسئولہ میں شفق احمر کے غروب ہوجانے کے بعد عشا کی نماز ادا کر لینے کی گنجائش ہے۔ عملاً **بقول الصاحبين في مواقع العذر**.(۱) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۷-۹-۱۳۹۹ھ (فتویٰ نمبر: ۳۰/۱۶۵۰) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۰-۳۹۱)

دھوپ سے عصر کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ:

سوال: ہمارے یہاں راجستھان میں، آج کل طلوع وغروب کے اوقات میں، اور یہاں کے اوقات میں بارہ منٹ کا فرق ہے، حسینی دوامی جنتری میں یہاں کا طلوع آفتاب کا وقت ۶:۳۳ اور نصف النہار کا وقت ۱۲:۳۰، اور غروبِ آفتاب کا وقت ۶:۳۹ لکھا ہے، اور ہمارے یہاں ۱۲/منٹ بعد یہ اوقات ہوتے ہیں۔ یعنی ۶:۴۵ پر طلوعِ آفتاب اور ۱۲:۴۲ پر نصف النہار اور ۶:۵۱ پر غروب آفتاب، اس لحاظ سے ہمارے یہاں اگر عصر کی نماز ساڑھے چار بجے ہو، تو کیا صحیح ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) و في اعلاء السنن: ۱۱/۲، (طبع ادارة القرآن كراچي): و في البحر: الشفق هو البياض عند الإمام إلى أن قال: فثبت أن قول الإمام هو الأصح ....ولايعدل عنه إلى قولهما أو قول أحدهما أوغيرهما إلا لضرورة من ضعف دليل أوتعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشائخ بأن الفتوى على قولهما كما في هذه المسئلة وفي السراج الوهاج: فقولهما أوسع للناس، وقول أبي حنيفة أحوط.

(۲) "و وقت الظهرمن زواله إلى بلوغ الظل مثليه سوى فيء الزوال، ووقت العصرمنه إلى الغروب، ولولم يجد ما يغرز أشار إلى أنه إن وجد خشبة يغرزها في الأرض قبل الزوال، و ينتظر الظل مادام متراجعاً إلى الخشبة، فإذا أخذ في الزيادة حفظ الظل الذي قبلها، فهوظل الزوال". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۹-۳۶۰، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس کا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت سورج بالکل سر پر ہو، کسی سیدھی چیز مثلاً لکڑی زمین میں گاڑ کر دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، اس کو سایۂ اصلی کہتے ہیں، پھر جب اس لکڑی کا سایہ دو مثل ہو جائے سایۂ اصلی کے علاوہ، تب عصر کا وقت شمار کیا جائے گا۔ مثلاً لکڑی ایک گز کی ہے، اور سورج سر پر ہونے کے وقت اس کا سایہ ایک بالشت ہے، تو جب اس کا سایہ دو گز اور ایک بالشت ہو جائے گا، تو سمجھئے کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۴/۵-۳۳۵)

حنفی و شافعی دونوں مقتدی ہوں تو اوقات میں کس کی رعایت کی جائے:

سوال: **فی بلدة كثير الأحناف ودونهم الشوافع و إمام أهل المذهبين حنفی ففی هذه الصورة هل يعين وقت الظهر وانتهائه وشروع وقت العصرعلى مذهب الحنفی أوعلىٰ مذهب الشافعی و كيف الفتویٰ؟**(۱)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ينبغی أن يراعی الإمام فی أوقات الصلوٰة مذهب الإمام الأعظمؒ فإن الاحتياط فی صلوٰة الظهروالعصرفی مذهبه ،كمافی ردالمحتار: والأحسن ما فی السراج: عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لايؤخرالظهر إلى المثل وأن لايصلی العصرحتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين فی وقتهما بالإجماع، الخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵۴/۲)

ابر آلود دن میں نمازِ عصر:

سوال (۱) اگر سورج ابر میں پوشیدہ ہو جس سے مثلین کا پتہ نہ چل سکے اور گھڑیوں کا اختلاف ظاہر ہے تو عصر کی نماز

---

(۱) ترجمہ سوال: ایک شہر میں حنفی کی اکثریت ہے اور شافعی کم ہیں اور دونوں کا امام حنفی ہے، تو ایسی صورت میں ظہر کا اول وآخر وقت اور عصر کا اول وقت حنفی مسلک پر مقرر کیا جائے گا یا شافعی پر، اور اس صورت میں فتوی کیا ہے؟ انیس

(۲) ترجمہ جواب: ۔مناسب یہ ہے کہ امام نماز کے اوقات میں امام اعظمؒ کے مسلک کی رعایت کرے، کیونکہ ظہر وعصر کی نماز میں احتیاط ان ہی کے مسلک میں ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے بحوالہ سراج، شیخ الاسلامؒ سے نقل کیا ہے کہ ''احتیاط یہ ہے کہ ظہر کو ایک مثل تک مؤخر نہ کرے اور عصر کو دو مثل سے قبل نہ پڑھے تاکہ بلا اختلاف دونوں نمازوں کو ان کے وقت میں ادا کرنے والا ہو۔ انیس

ردالمحتار، كتاب الصلوٰة ،ج: ۱،ص: ۳۳٤،ظفير

(۳) (ويختلف باختلاف الزمان والمكان)أی طولاً وقصراً وانعداماً بالكلية، كماأوضحه الطحطاوی.(ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۳٦٠/۱،دار الفكر. انيس)

کس انداز پر پڑھنی چاہئے؟

عصر ومغرب کے درمیان مدّتِ فصل:

(۲)　مغرب اور عصر کے درمیان مفتی بہ متفقہ کس قدر فاصلہ ہے؟

عصر اگر مغرب سے دوگھنٹہ پہلے پڑھی گئی تو کیا حکم ہے:

(۳)　اگر عصر کی نماز مغرب سے پورے دوگھنٹہ پہلے پڑھی گئی تو وہ نماز واجب الاعادہ ہے یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

(۱-۳)　موسموں کے اختلاف سے اوقات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، (۳) اب جبکہ دن بہت بڑا ہے تو مغرب سے دوگھنٹہ قبل بھی عصر کا وقت ہے یعنی دومثل سایہ ہوجاتا ہے، کیونکہ اس ماہ جولائی میں پانچ بج کر ۲۳ رمنٹ پر دومثل سایہ ہوجاتا ہے اور غروب ۷ ربج کر ۲۸ رمنٹ پر یا ۲۹ رمنٹ پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کل فاصلہ ''**مابین المثلين وما بين المغرب**'' دوگھنٹہ سے کچھ زیادہ ہے۔ اسی طرح مئی اور جون میں بھی قریب قریب دوگھنٹہ کا فاصلہ رہا ہے اور گھڑیوں میں جو اختلاف ہوتا ہے؛ وہ ظاہر ہے کہ دو چار منٹ کا ہوتا ہے، پس ابر میں احتیاط کرنی چاہئے اور مثلاً نقشہ میں ۵ ربج کر ۲۳ رمنٹ پر مثلین کا وقت ہے، یعنی وقت عصر ہوتا ہے؛ تو اس میں احتیاط کی جاوے کہ ساڑھے پانچ بجے یا اس کے بعد پونے چھ بجے تک نماز عصر پڑھ لی جائے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۵۰-۵۱)

عصر کی نماز کی ابتدا کامل وقت میں اور اختتام ناقص وقت میں:

سوال:　سببِ وجوبِ نماز، جزء متصل الادا ہوتا ہے، اس بنا پر علماء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عصر کی نماز وقتِ مکروہ میں شروع کرے، اور پھر اثنائے صلوٰۃ میں آفتاب غروب ہوگیا، تو اس کی نماز صحیح ہوگئی، کیونکہ ''**أداه كما وجب**'' پایا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عصر کی نماز وقتِ کامل میں شروع کرے اور نیت باندھنے کے بعد وقتِ ناقص شروع ہوگیا، لیکن ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا ہے، تو اس کی یہ نماز صحیح ہوگئی یانہیں؟ شبہ کی وجہ یہ پیش آئی کہ ''**أداه كما وجب**'' نہیں پایا گیا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس کی یہ نماز صحیح ہوگی۔ آپ کا شبہ اور اس کا جواب شرح منیۃ المصلی ص: ۲۴۷ میں مذکور ہے۔

(۱)　الحلبی الکبیر، بحث: فروع فی شرح الطحاوی، ص: ۲۴۷، سہیل اکیڈمی، لاہور

"فقد يقال: فينبغي أنه لو شرع فيها أول الوقت قبل الإصفرار، ثم اصفرت، وهو في خلالها أن تفسد لعروض النقصان علىٰ ما وجب بالسبب الكامل، والجواب أن الشرع جعل للمكلف شغل كل الوقت بالعبادة، وهو العزيمة، فقد اغتفر في حقه ما لا يمكن ذلک إلا به لكونه من جملة أجزاء الوقت به". (۱) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۴/۳/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۲/۵-۳۴۳)

وقت عصر کے بارے میں چند سوالات:

سوال (۱) حنفی مذہب میں ایک مثل پر عصر کا وقت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) امام اعظمؒ سے جیسے دو مثل کی روایت ہے، ویسے ان سے ایک مثل کی بھی روایت ہے یا نہیں؟

(۳) امام اعظم کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف ثابت ہے یا نہیں؟

(۴) فتویٰ دو مثل کی روایت پر ہے یا صاحبین کے قول پر جو کہ امام صاحب سے دوسری روایت ایک مثل کی ہے موافق قول صاحبین کے؟

(۵) جو شخص ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھ لے، تو اس کو اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۶) جو شخص عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھے اس کو غیر مقلد کہنا اور کہنا کہ تیری نماز نہیں ہوئی جائز ہے یا نہیں؟

(۲۲/محرم ۱۳۳۹ھ)

---

(۱) قوله: اى بلوغ الظل مثليه هٰذا ظاهر الرواية عن الامام، وهو الصحيح. (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۶۰/۱، ط: سعيد كمپنى)

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ۱۴۲/۱. انيس

(۳) (ووقت الظهر من زواله).... (إلىٰ بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۳۵۹/۱، ط: سعيد كمپنى)

واختلفوا في آخره فالمذكور قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: إذا صار ظل كل شيء مثله، وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة. (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الصلاة، مواقيت الصلوات الخمس: ۵۱/۱. /كذا في مجمع البحرين وملتقى النيرين لابن الساعاتي مع شرح المجمع لابن ملك: ۱۰۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۴) (قوله: وإليه) رجع الإمام إلى قولهما الذي هو رواية عنه أيضا وصرح في المجمع بأن عليها الفتوى، الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۳۶۱/۱، ط: سعيد كمپنى)

الجواب ـــــــــــــــــــ

حنفی مذہب میں خود امام ابوحنیفہؒ سے دومثل کے بعد عصر کا وقت ہونے کی روایت اشہر الروایات ہے اور متون میں اسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے۔(۱) اور صاحبین سے ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہونا منقول ہے۔(۲)

(۲) امام صاحب سے ایک روایت میں ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہو جانا بھی مروی ہے، جیسا کہ صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے۔(۳)

(۳) امام صاحب سے بعض علمانے رجوع بھی نقل کیا ہے کہ حضرت امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا۔(۴)

(۴) بہت سے فقہا نے ایک مثل کے قول پر فتویٰ دیا ہے، اور بہت سے دومثل والے قول کو ترجیح دیتے ہیں جیسے صاحب البحر الرائق، بہرحال اس میں ترجیح اور فتوی دونوں جانب موجود ہے۔

(۵) احتیاط یہ ہے کہ عصر کی نماز دومثل کے بعد پڑھی جائے اور ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر اور احتیاطاً اگر اسی عصر کا جو دومثل سے پہلے پڑھی گئی اعادہ کرلیا جائے تو مضائقہ نہیں۔(۱)

(۶) ایسے شخص کو غیر مقلد کہنا یا یہ کہنا کہ تیری نماز صحیح نہیں ہوئی درست نہیں جب کہ خود حنفیہ میں سے صاحبین کا یہ مذہب ہے اور فقہاء حنفیہ میں سے ایک جماعت اسے ترجیح دے رہی ہے، اور مفتی بہ بتارہی ہے، اسی طرح دومثل کے بعد عصر پڑھنے والے کو یہ کہنا کہ یہ شخص قول مردود پر عمل کرتا ہے یا اس کا یہ عمل خطا ہے درست نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی۔ (کفایت المفتی:۳/۶۹-۷۰)

---

(۱) والأحسن ما فی السراج عن شیخ الإسلام: أن الاحتیاط أن لا یؤخر الظهر إلی المثل ولا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلاتین فی وقتهما بالإجماع، الخ. (رد المحتار، أول کتاب الصلوة : ۳۵۹/۱، ط:سعید کمپنی)

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن للصلوٰة أولاً وآخراً، وإن أول وقت صلاة الظهر حین تزول الشمس وآخر وقتها حین یدخل وقت العصر وإن أول وقت صلاة العصر حین تدخل وقتها، وإن آخر وقتها حین تصفر الشمس. (سنن الترمذی کتاب الصلاة، باب ماجاء فی مواقیت الصلاة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب منه، (ح: ۱۵۱) انیس)

عن عبدالله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: وقت الظهر مالم تحضر العصر ووقت العصر مالم تصفر الشمس. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی المواقیت (ح: ۳۹۶) انیس)

عصر میں اصفرارِ شمس تک تاخیر اور عشا کا وقت:

سوال (۱) احناف کے مسلک پر نماز عصر میں جو تاخیر افضل ہے تو اس افضلیت پر گھنٹوں کے حساب سے عصر اور مغرب کے درمیان کتنا وقت ہونا چاہئے؟

(۲) مغرب کی نماز کے کتنے وقت بعد عشا کا وقت داخل ہوتا ہے؟

الجواب

(۱) حنفیہ کے نزدیک عصر کی نماز اصفرارِ شمس یعنی سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک تاخیر کرنا افضل ہے، (۲) لیکن جماعت میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد اصفرار سے پہلے اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز کا اعادہ کرنا ہو تو وہ بھی اصفرار سے پہلے کیا جا سکے، یہ وقت موسموں اور شہروں کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے گھنٹہ، منٹ کے حساب سے اس کی کوئی مقدار دائمی طور پر مقرر نہیں کی جا سکتی۔

(۲) جب شفق ابیض (یعنی مغربی افق پر سفیدی) غائب ہو جائے تو عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ (۱) اس کا مدار بھی شہر کے محل وقوع اور موسم پر ہوتا ہے اس لئے گھنٹہ اور منٹ کے لحاظ سے اس کی بھی دائمی مقدار نہیں بتائی جا سکتی۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۲۲/۱۰/ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۱-۳۹۲)

عصر کی نماز کیلئے ساڑھے چار بجے کا وقت مقرر کرنا:

سوال: مشکوۃ شریف اور ترمذی کی ایک حدیث ہے اور اس امامت جبرئیل والی حدیث میں زوال کے فوراً بعد

(۱) فی الهداية: ۱/۸۲ (طبع مكتبة شركة علمية، ملتان) (مواقيت الصلوٰة): وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق وآخر وقتها مالم يطلع الفجر. ⁄ وفى الشامية: ۱/۳٦۱، تحت قوله وإليه رجع الإمام، الخ: ....قال فى الإختيار: الشفق البياض وهو مذهب الصديق ومعاذ بن جبل وعائشه رضى الله عنها وعنهم قلت رواه عبدالرزاق عن أبى هريرة وعن عمر بن عبدالعزيز إلى قوله قال العلامة قاسم فثبت أن قول الإمام هو الأصح ومشى عليه فى البحر، الخ.

وفى اعلاء السنن: ۲/۱۱: وفى البحر: الشفق هو البياض عند الإمام إلى أن قال فثبت أن قو ل الإمام هو الاصح وبهذا ظهر أنه لا يفتى ولا يعمل إلابقول الإمام الأعظم ولا يعدل عنه إلى قولهما أو قول أحدهما أو غيرهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشائخ بأن الفتوى على قولهما كما فى هذه المسئلة وفى السراج الوهاج فقولهما أوسع للناس وقول أبى حنيفة أحوط.

(۲) وفى الدر المختار، كتاب الصلوة، ج: ۱، ص: ۳۵۹-۳٦۰: ووقت الظهر من زواله أى ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه. وفيه بعد أسطر، ص: ۳٦۰: ووقت العصر منه الى قبيل الغروب، وفى الشامية تحت (قوله منه) أى من بلوغ الظل مثليه، الخ.

ظہر کی نماز ادا کرنے کا ذکر ہے اور عصر کی نماز جب سایہ ایک مثل ہوگیا تو اس کے بعد عصر کی نماز ادا کرنے کا ذکر موجود ہے۔ ان صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز سایہ کے ایک مثل ہوجانے کے بعد ادا فرمائی۔ اس حدیث کی روشنی میں، نیز چونکہ ہم سب کاروباری لوگ ہیں اور غرض یہ ہے کہ ہم سب جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکیں اس کی بناء پر ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ ساڑھے چار بجے عصر کی جماعت کرالی جائے، یہ ٹائم ہم نے عصر کی جماعت کے لیے مقرر کیا ہے۔ ہمارا یہ وقت مقرر کرنا حدود جواز میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ گھڑیاں نہیں تھیں، اس لئے اوقات کا تعین جنتری یا گھڑیوں کے حساب سے نہ تھا، بلکہ اوقات کی مختلف علامتیں مقرر تھیں، ان علامتوں کا بیان مختلف احادیث میں آیا ہے اور اس بارے میں ایک دو نہیں بہت سی احادیث مروی ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہوجائے۔ (۲) یہ وقت موسموں اور مقامات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، کراچی میں عصر کا وقت کم سے کم چار بج کر آٹھ منٹ پر (۷/دسمبر کو) ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ پانچ بجکر ۲۳ (۱۵ جولائی کو) ہوتا ہے، آج یعنی (۱۴ مارچ کو) عصر کا وقت پانچ بج کر دو منٹ پر شروع ہوگا۔ اس سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز پڑھنا درست نہیں۔ لہذا آپ نے آج کل ساڑھے چار بجے کا جو وقت مقرر کیا ہوا ہے وہ حنفی مسلک کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اوقات نماز کے جو طبع شدہ نسخے ملتے ہیں وہ اپنے پاس رکھیں اور اس میں روزانہ عصر کا وقت دیکھ کر اس کے مطابق جماعت کا وقت مقرر فرمائیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۶/۴/ ۱۳۹۱ھ (فتویٰ نمبر ۲۸/۲۷-۲۹۔ الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۵-۳۹۶)

عصر کی ایک رکعت بعد غروب ادا کی نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: نماز عصر ایک رکعت یا دو رکعت بعد غروب ادا کیا تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

واجب الاعادہ نہیں ہے، نماز ہوگئی۔ (۱)

(۱-۲) عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرک من الصبح رکعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح و من أدرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدأدرک العصر. (الصحيح للبخاری، باب من أدرک من الفجر رکعة (ح: ۵۷۹)/سنن الترمذی، باب ماجاء فيمن أدرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس (ح: ۱۸۶) انيس)

”لاتجوز الصلاة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها فى الظهيرية ولا عند غروبها - إلىٰ أن قال - إلا عصر يومه عند الغروب،الخ. (الهداية ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى الأوقات التى تكره فيها الصلوٰة: ٦٨/١) **فقط و اللّٰه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی ۔ (حبیب الفتاویٰ: ۱/۴۷)

عصر میں دوران نماز سورج غروب ہوجائے تو نماز کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز پڑھنا شروع کردے اور ایک رکعت کے بعد آفتاب غروب ہوجائے اور باقی نماز بعد میں پوری کرلے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو ٹھیک ہے اور اگر ہوگئی تو سوال یہ ہے کہ وقت نماز کے لئے ظرف بنتا ہے، وقت گزرنے کے بعد نماز کیسے ادا ہوگئی؟ کیا ظہر کی نماز بھی عصر کے وقت میں داخل ہونے سے صحیح ہوجائے گی؟ اگر کہا جائے کہ حدیث میں آتا ہے کہ **”من أدرک رکعة من العصر ،الخ“** (۲) تو پھر سوال یہ ہے کہ طلوع کے بعد فجر کیوں نہیں ہوتی، حدیث میں تو فجر کا ذکر بھی ہے اور اگر کہا جائے کہ فجر کا وقت کامل ہونے کی وجہ سے کامل واجب ہوئی ناقص ادا نہیں ہوگی اور عصر کا وقت ناقص ہونے کی وجہ سے ناقص واجب ہوئی ناقص ادا ہوگی، کیوں کہ سبب وجوب ادا سے متصل جز ہے پھر سوال یہ ہے کہ ناقص وقت تو غروب تک ہوتا ہے۔ اس میں تو نماز ختم نہ ہوئی اور غروب کے بعد عصر کا وقت ہی ختم ہوگیا، نہ ناقص رہا نہ کامل، اب ناقص ادا ہونے کا کیا معنی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

---

(۱) منحة الخالق حاشية البحر الرائق شرح كنز الدقائق،باب قضاء الفوائت: ٨٤/٢.انيس

(۲) ذكر ما يستفاد منه من الأحكام فيها:أن فيه دليلاً صريحاًفى أن من صلى ركعة من العصرثم خرج الوقت قبل سلامه لاتبطل صلاته بل يتمها،وهذا بالإجماع،وأمافى الصبح فكذلك عندالشافعى ومالک وأحمد،وعندأبى حنيفة تبطل صلاة الصبح بطلوع الشمس فيها،وقالوا:الحديث حجة على أبى حنيفة وقال النووى:قال أبوحنيفة: تبطل صلاة الصبح بطلوع الشمس فيها،لأنه دخل وقت النهى عن الصلاة بخلاف الغروب، والحديث حجة عليه. قلت:من وقف على ما أسس عليه أبوحنيفة عرف أن الحديث ليس بحجةعليه،وعرف أن غيرهذاالحديث من الأحاديث حجة عليهم،فنقول:لاشک أن الوقت سبب للصلاة وظرف لها،ولكن لايمكن أن يكون كل الوقت سبباً،لأنه لوكان كذلک يلزم تأخيرالأداء عن الوقت فتعين أن يجعل بعض الوقت سبباً،وهوالجزء الأول لسلامته عن المزاحم،فإن اتصل به الأداء تقررت السببية،وإلاتنتقل إلى الجزء الثانى والثالث والرابع ومابعده إلى أن يتمكن فيه من عقدالتحريمةإلى آخرجزء من أجزاء الوقت ،ثم هذالجزء إن كان صحيحاً،بحيث لم ينسب إلى الشيطان ولم يوصف بالكراهة كمافى الفجر وجب عليه كاملاً،حتى لواعترض الفساد فى الوقت بطلوع الشمس فى خلال الصلاة فسدت،خلافاً لهم، ==

عصر کی نماز ہو جائے گی، کیوں کہ اس پر ادا کی تعریف صادق ہے۔ صاحب بحر نے ادا کی تعریف یوں فرمائی ہے:

فالأداء ابتداء فعل الواجب في وقته،الخ.

اس سے معلوم ہوا کہ ادا بننے کے لئے ابتدائی الوقت کافی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

لأنه لايشترط فعله كله في وقته ليكون أداء لأن وجود التحريمة في الوقت كان لكون الفعل أداءً. (البحر الرائق: ۷۸/۲،مطبوعه كوئٹه)

اور حاشیہ میں ہے:

ومعلوم أنه لايشترط لكونه أداء وجود جميعه فيه،الخ. (۱)

ان تصریحات کی روشنی میں عصر کی نماز ہو جائیگی، اگر کہا جائے کہ پھر تو فجر بھی صحیح ہو جانی چاہئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع شمس سے نماز فجر باطل ہے، کیوں کہ یہ وقت نماز کے لئے ظرف نہیں بن سکتا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ

== لأن ماوجب كاملاً لايتأدى بالناقص،كالصوم المنذور المطلق وصوم القضاء لايتأدى في أيام النحر والتشريق،كان منسوباًإلى الشيطان،وإذاكان هذاالجزء ناقصامنسوباًإلى الشيطان،كالعصر وقت الاحمرار وجب ناقصا،لأن نقصان السبب مؤثرفي نقصان المسبب،فيتأدى بصفةالنقصان،لأنه أدى كمالزم، كما إذا نذرصوم النحروأداه فيه،فإذاغربت الشمس في أثناء الصلاة لم تفسدالعصر،لأن مابعدالغروب كامل فيتأدى فيه،لأن ماوجب ناقصاًيتأدى كاملاً بطريق الأولى.فإن قلت يلزم أن تفسدالعصرإذاشرع فيه في الجزء الصحيح ومدها إلى أن غربت. قلت:لماكان الوقت متسعاجازله شغل كل الوقت،فيعفى الفساد الذى يتصل به بالبناء، لأن الاحترازعنه مع الإقبال على الصلاة متعذر،وأماالجواب عن الحديث المذكورفهوماذكره الإمام الحافظ أبوجعفرالطحاوى،وهو:أنه يحتمل أن يكون معنى الإدراك في الصبيان الذين يدركون،يعني يبلغون قبل طلوع الشمس والحيض اللاتي يطهرن، لأنه لماذكرفي هذاالإدراك،ولم يذكرالصلاة فيكون هؤلاء الذين سميناهم ومن أشبههم مدركين لهذه الصلاة، فيجب عليهم قضاؤها،وإن كان الذى بقي عليهم من وقتهاأقل من المقدار الذى يصلونهافيه،فإن قلت:فماتقول فيمارواه أبوسلمة عن أبي هريرة قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا أدرك أحدكم سجدة من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلاته، وإذا أدرك سجدة من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس فليتم صلاته.رواه البخاري والطحاوي أيضاًفإنه صريح في ذكر البناء بعدطلوع الشمس؟قلت:قدتواترت الآثار عن النبي صلى الله عليه وسلم بالنهي عن الصلاة عند طلوع الشمس مالم تتواتربإباحةالصلاة عندذلك فدل ذلك على أن ماكان فيه الإباحة كان منسوخاًبماكان فيه التواتربالنهي،فإن قلت:ماحقيقة النسخ في هذا والذى تذكره الاحتمال؟وهل يثبت النسخ بالاحتمال؟قلت:حقيقةالنسخ هناماأنه اجتمع في هذاالموضع محرم ومبيح وقدتواترت الأخباروالآثارفي باب المحرم مالم تتواترفي باب الإباحة وقدعرف من القاعدة أن المحرم والمبيح إذااجتمع يكون العمل للمحرم،ويكون المبيح منسوخاًوذلك لأن الناسخ هوالمتأخر،ولاشك أن الحرمة متأخرة عن الإباحة لأن في الأشياء الإباحة والتحريم عارض، ولايجوزالعكس لأنه يلزم النسخ مرتين،فافهم.(عمدة القاري شرح صحيح البخاري،كتاب الصلاة،باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب: ۴۸/۵-۴۹. انيس)

یہاں ادائیگی کما وجب بھی نہیں ہو رہی۔ اگر یہ نماز صحیح ہو جاتی تو ادا کا حکم یہاں بھی لاگو ہو جاتا، (۲) وقت صحت صلوۃ کے لئے ظرف ہے، صحت کے لئے شرط نہیں۔ اسی وجہ سے ظہر اگر ظہر کے وقت میں شروع کی جائے اور وقت میں ختم کردی جائے یا وقت کے بعد ختم کی جائے یا ابتدا اور اختتام دونوں وقت کے بعد ہوں، سب صورتوں میں نماز درست ہے، یہ الگ بات ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں ادا کہلائے گی اور تیسری صورت میں قضا۔ وقت سے تقدیم اس لئے جائز نہیں کہ تقدیم علی السبب لازم آتا ہے جو بدیہی البطلان ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔ ۲۶/۳/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۱۹۷-۱۹۸)

جمع بین الصلاتین کی تحقیق:

سوال: زید، اہل حدیث اپنے کو بتلاتا ہے اور بکر حنفی ہے، دونوں کا اتفاق سے سفر میں ساتھ ہو گیا۔ زید اہل حدیث نے ظہر کے وقت ظہر کی نماز سے ملا کر عصر کی نماز بھی پڑھ لی، بکر حنفی المذہب نے اس پر اعتراض کیا کہ ابھی وقت عصر کا نہیں ہوا، زید نے جواب دیا، نماز ظہر اور عصر ملا کر پڑھنا حدیثوں میں اکثر آیا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سفر میں ظہر وعصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں ملا کر پڑھا ہے...... اس غرض سے کہ میری امت پر آسان ہو۔ اور حدیث یہ پیش کرتا ہے اسکے جواز میں، جو ملاحظہ کیلئے ارسال خدمت ہے، مسلم شریف کی حدیث بتلاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر اس ایک حدیث سے تسلی نہ ہو تو اور حدیثیں بھی پیش کرسکتا ہوں ورنہ آپ عدم جواز میں میرے خلاف کوئی حدیث کتبِ معتبرہ سے پیش کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا کر نہیں پڑھی اور منع کیا ملا کر پڑھنے کو۔ زید کہتا ہے کہ ملا کر نماز پڑھنے کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول موجود ہے۔ وہ قول امام صاحب کا ہے کہ ملا کر نہ پڑھو۔ جب حدیث موجود ہے پھر کیوں امام صاحب کے قول پر عمل کیا جاوے۔ جب خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرے قول کو چھوڑ دو جب تم کو حدیث میرے قول کے خلاف مل جائے۔ ایسی حالت میں بکر حنفی المذہب کو کیا کرنا چاہئے اور عدم جواز میں جو حدیثیں ہوں چند حدیثیں بحوالہ کتب معتبرہ مفصل تحریر فرمائیے۔

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ: کہا نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی اکٹھی مدینہ میں سوائے خوف اور سوائے سفر کے۔ کہا ابو الزبیرؒ نے: پس پوچھا میں نے سعیدؒ سے کس واسطے کیا اس کو حضرت نے، پس کہا سعید نے: پوچھا میں نے ابن عباسؓ سے جیسا کہ پوچھا تو نے مجھ سے، پس کہا ابن عباسؓ نے ارادہ کیا حضرتؐ نے یہ کہ نہ حرج ہو کسی کا میری امت میں سے، روایت کیا اس حدیث کو مسلمؒ نے۔

(۱) نصب الراية للزيلعي، ج:۲، ص: ۱۹٤، ظفير ==

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

دونمازوں کوایک وقت میں اس طرح جمع کرنا کہ ظہر کی نماز مثلاً عصر کے وقت میں پڑھیں یاعصر کی ظہر کے وقت میں، نہ سفر میں جائز ہے نہ حضر میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر وحضر میں اس طرح جمع کرنا ثابت نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جوآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ہر وقت کے حاضر باش تھے،آپ کی مسواک اورتکیہ وغیرہ انہیں کے پاس رہتا، وضوکیلئے پانی بھی اکثر وہی مہیا کرتے،اسی وجہ سے ان کا لقب صاحب السواک والوسادۃ والطہو رہوگیا تھا۔فرماتے ہیں:

ماراٴیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم جمع بین الصلوٰتین إلا بجمع. (رواہ البخاری ومسلم)(۱)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوکبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اپنے وقت کے سوامیں پڑھی ہومگر دو نمازیں مغرب وعشا کی مزدلفہ میں، روایت کیااس کومسلمؒ وبخاریؒ نے۔

اورنسائی صفحہ:۴۷۱،کی روایت میں ہے:

عن عبد اللّٰه قال کان رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی الصلوٰۃ لوقتها إلا بجمع وعرفات. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ہمیشہ اپنے وقت میں

== صحیح البخاری کتاب الحج (ح: ١٦٨٢)بلفظ:مارأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی صلاۃ بغیر میقاتها إلاصلاتین،صلاۃ المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر قبل میقاتها. ⁄الصحیح لمسلم، (ح: ١٢٨٩) بلفظ: مارأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی صلاۃ إلالمیقاتها إلاصلاتین،صلاۃ المغرب والعشاء بجمع. انیس

عن عبد اللّٰه قال:مارأیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم جمع بین الصلاتین إلابجمع وصلی الصبح یومئذقبل وقتها.(سنن النسائی،کتاب المواقیت،الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة (ح:٦٠٨)انیس)

(۱) سنن النسائی،الجمع بین الظهروالعصر بعرفة (ح:٣٠١٠)انیس

(۲) نصب الرایة للزیلعی،ج:٢،ص:١٩٣،ظفیر

سنن الترمذی،کتاب الصلوٰۃ،باب فی الجمع بین الصلاتین (ح: ١٨٨)بلفظ من جمع بین الصلاتین من غیرعذرفقدأتی باباًمن أبواب الکبائر. ⁄المستدرک للحاکم،أماحدیث عبدالرحمن بن مهدی (ح: ١٠٢٠): ١٠٩/١⁄٤٠٩/ سنن الدارقطنی،باب ذکر الأثر الذی روی فی أن الجمع من غیرعذر (ح: ٥٥٦١)⁄المعجم الکبیر للطبرانی،عکرمة عن ابن عباس: ٢١٦/١١ (ح:١١٥٤٠)انیس)

(۳) عن أبی قتادۃ: أن عمر کتب إلی عامل له:ثلاث من الکبائر: الجمع بین الصلوتین و الفرار من الزحف، الخ.(سنن البیهقی الکبریٰ،باب ذکرالأثر الذی روی فی أن الجمع من غیرعذر (ح:٥٣٤٩)⁄التعلیق الممجدعلی موطأالإمام محمد،شرح حدیث رقم:٥٩⁄وکنزالعمال(ح:٢٢٧٦٥)انیس)

پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ اور عرفات میں۔

اور خود حضرت ابن عباسؓ سے جن کی روایت دربارہ جواز جمع بین الصلوٰتین پیش کی گئی ہے۔ روایت ہے:

من جمع بين الصلوتين من غير عذر فقد أتىٰ باباً من الكبائر. (رواه الترمذی)(۲)

ترجمہ: جس شخص نے جمع کیا دو نمازوں کو بدون عذر کے اس نے کبیرہ گناہ کیا، روایت کیا اس کو ترمذیؒ نے۔ البتہ اس کی اسناد میں ضعف ہے جس کو ترمذیؒ نے بیان فرمایا ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ عمل جمہور امت کا باوجود اس ضعف کے اسی حدیث پر ہے۔ یعنی جمع بین الصلوٰتین کو بدون عذر جائز نہیں رکھتے، جس سے اس ضعف کا انجبار ہوسکتا ہے۔

علاوہ بریں خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شافعی تلخیص تخریج زیلعی صفحہ ۱۳۱ر میں فرماتے ہیں:

وأخرجه البيهقي عن عمر مرفوعاً. (۳)

ترجمہ: اور اس روایت کو بیہقیؒ نے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اتنا فرما کر سکوت کرتے ہیں، کوئی قدح اس کی اسناد وغیرہ میں نہیں کرتے، تو ظاہر ہے کہ اگر اس کی اسناد میں کوئی نقص ہوتا تو ضرور تحریر فرماتے جیسا کہ ترمذی کی اسناد کو نقل کر کے اس کی تضعیف کی ہے اور نیز حضرت ابن عباسؓ سے باسناد صحیح روایت ہے:

عن طاؤس عن ابن عباس قال: لايفوت صلوٰة حتى يجيء وقت الأخرىٰ. (رواه الطحاوی **وإسناده صحيح**)(۱)

ترجمہ: روایت ہے طاؤسؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عباسؓ سے کہ فرمایا انہوں نے کہ کوئی نماز فوت نہیں ہوتی جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نہ آجاوے، روایت کیا اس کو طحاویؒ نے۔

پس معلوم ہو گیا کہ جب دوسری نماز کا وقت آجاتا ہے تو حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک بھی پہلی نماز فوت ہوجاتی

(۱-۲) شرح معانی الآثار، باب الجمع بين الصلوتين: ۹۸/۱. ظفير (المصنف لابن أبي شيبة، من قال: لايفوت صلاة حتى يدخل وقت الأخرىٰ: ۲۹٤/۱ (ح: ۳۳۷۰)/مسند السراج، باب من نسی صلاة فليصليها إذا ذكرها (ح: ۱۳۷۱)/السنن الكبرىٰ للبيهقي عن أبي قتادة عن النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۷٦۳) انيس)

(۳) نصب الراية للزيلعي: ۱۹٤/۲ ظفير

الصحيح لمسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة (ح: ٦۸۱)/شرح معانی الآثار: ۱٦٥/۱/صحيح ابن حبان (ح: ۱٤٦۰)/صحيح ابن خزيمة (ح: ۹۸۹)/سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة (ح: ٤۳۷، ٤٤۱)/ سنن النسائی، كتاب الصلوٰة (ح: ٦۱٦)/سنن البيهقي الكبرىٰ (ح: ۱٦۳۹)/المنتقى لابن الجارود، مواقيت الصلاة (ح: ۱٥۳) انيس)

ہے اور ظاہر ہے کہ اگر جمع بین الصلوٰتین جائز رکھی جائے تو پھر فوت کے کوئی معنی نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال: سئل أبوهريرة ما التفريط فى الصلوٰة ؟ قال: أن تؤخر حتى يجيء وقت الأخرىٰ، رواه الطحاويؒ. (الطحاوی، ص: ۹۸)(۲)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ بن موہبؒ سے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے دریافت کیا گیا کہ تفریط فی الصلوٰۃ کیا ہے؟ فرمایا کہ نماز کو مؤخر کیا جائے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنا تفریط و تقصیر ہے اور حضرت ابو قتادہؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

ان رسول اللهﷺ صلى الله عليه وسلم قال: أما انه ليس فى النوم تفريط إنما التفريط على من لم يصل حتى يجئ وقت الأخرىٰ، رواه مسلم وغيره. (۳)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نیند سے جو نماز اتفاقاً رہ جائے اس میں تقصیر نہیں، ہاں تفریط اور قصور اس شخص پر ہے جس نے جاگتے ہوئے اس وقت تک نماز نہ پڑھی جب تک کہ دوسری نماز کا وقت آئے۔ روایت کیا اس کو مسلمؒ وغیرہ نے۔

اور امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ قول اس وقت فرمایا تھا جبکہ آپ سفر میں تھے اور مخاطب اس حکم کے بھی مسافر تھے، جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس حکم میں صرف حضر داخل نہیں، بلکہ سفر کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے سفر میں بھی کسی نماز کو اپنے وقت سے نکال کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا تفریط و تقصیر ٹھہری۔ پھر کیا کوئی بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس کی نسبت کرتے ہوئے نہ شرمائیں گے کہ آپ نے ایک نماز کو اپنے وقت سے نکال کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھا اور تفریط و تقصیر کے مرتکب ہوئے۔ (تعالٰى شان النبوة عنه)

اس کے علاوہ قرآن وحدیث کی بکثرت شہادتیں اس پر موجود ہیں کہ شارع علیہ السلام نے ہر نماز کے لئے علاحدہ وقت مقرر کیا ہے جس سے اس کو مؤخر کرنا ہرگز جائز نہیں۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَّوْقُوْتاً ﴾(۱)

ترجمہ: تحقیق، نماز مومنین پر فرض موقت مقرر کیا گیا ہے۔

پھر اگر ایک نماز کو اس کے وقت سے نکال کر دوسرے وقت میں پڑھنا درست ہے؛ تو وقت مقرر کرنا کیا معنیٰ

---

(۱) سورۃ النساء، رکوع: ۱۵۔ الآیۃ: ۱۰۳۔

(۲) سورۃ البقرۃ: رکوع: ۳۱۔ الآیۃ: ۲۳۸۔

(۳) سنن الترمذی کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الوقت الأول من الفضل (ح: ۱۷۲)/ سنن الدارقطنی، باب النهی عن الصلاة بعد صلاة العصر، الخ (ح: ۹۸۳)/ الملخصات، الجزء السادس من الملخصات (ح: ۱۲۹۳)/ معجم ابن عساکر (ح: ۱۱۳٤) انیس)

رکھتا ہے؟

ورد یکھئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (۲)

ترجمہ: محافظت کروتم سب نمازوں پر اور بیچ کی نماز پر۔ اس آیت کی تفسیر میں جہاں مفسرینؒ نے بہت کچھ بیان کیا ہے وہیں محافظت کے یہ معنیٰ بیان فرمائے ہیں کہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : الوقت الأول من الصلوٰة رضوان الله والآخر عفو الله. (رواه الترمذی) (۳)

ترجمہ: تحقیق کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وقت اول نماز کا رضاء اللہ کی ہے اور آخر وقت اللہ کی معافی کا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذیؒ نے۔

یعنی جو شخص اول وقت مستحب میں نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو آخر میں پڑھتا ہے نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی اتنی تاخیر کو معاف فرما کر اس سے مواخذہ نہیں کرتا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالکل وقت ہی سے نکالدے تو پھر قانون شرع میں معافی نہیں، اللہ اس سے مواخذہ کرے گا۔ یہ امر آخر ہے کہ خداوند عالم اپنی رحمت سے اور گناہوں کی طرح اس کو بھی معاف فرمادے مگر جرم اس پر قائم ہو چکا۔

یہ چند آیاتِ قرآن اور روایات حدیث ہیں؛ جن سے بحمد اللہ نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ دو نمازوں کو اس طرح جمع کرنا کہ ایک دوسرے کے وقت میں پڑھیں، نہ حضر میں جائز ہے نہ سفر میں۔ اس وقت انہیں چند پر اکتفا کیا جاتا ہے؛ کیونکہ ایک منصف کے لئے یہ بھی کفایت سے زیادہ ہیں اور اگر اس کے بعد بھی اور ضرورت ہوئی تو شاید کچھ اور بھی گذارش کیا جائے۔ کیا اتنی روایات صحاح وحسان کے بعد بھی کوئی منصف حضرت یہ کہنے کیلئے تیار ہو سکتے ہیں کہ عدم جواز جمع بین الصلوٰتین پر حدیث سے کوئی دلیل نہیں، صرف امام صاحب کا قول ہے؟

باقی رہی وہ مسلم کی روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی اور جس کو سائل نے نقل کیا ہے۔ سو اول تو وہ حدیث باجماع امت متروک العمل ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اپنی علل صغریٰ صفحہ: ۲۵۷، میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو امت میں سے کسی نے نہیں لیا۔ جس کی علت کو بھی ترمذیؒ نے کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ روایات جو خود حضرت ابن عباسؓ سے جواز جمع کے خلاف پر ذکر کی گئی ہیں؛ اس کی شاہد ہیں کہ خود حضرت ابن عباسؓ بھی جمع بین الصلوٰتین کو بمعنی مذکور جائز نہیں رکھتے اور کیسے جائز رکھ سکتے ہیں؛ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو

(۱) الصحيح لمسلم، باب الجمع بين الصلوٰتين في السفر، ج:۱، ص:۲٤٦، ظفير (ح:٧٠٥)

تفریط وتقصیر فرماتے ہیں۔

اس لئے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ میں دونمازوں کوجمع کرنے سے یہ مرادنہیں کہ ایک نماز کودوسری کے وقت میں پڑھے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بغرض سہولت ایک نماز کومؤخر کرکے اس کے آخر میں اور دوسری کومقدم کرکے اس کے اول وقت میں ادا کیا جائے؛ تاکہ صورۃً دونوں نمازیں جمع ہوکر سہولت بھی پیدا ہوجائے اور کسی نماز کواپنے وقت سے نکال کر بحکم حدیث مرتکب تفریط وتقصیر بھی نہ ہونا پڑے۔

اس صورت سے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض بھی باقی نہ رہے گا اور یہ ہمارا من گھڑت قیاس یا اجتہاد نہیں بلکہ مسلم ہی میں خود حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے بعض طرق میں اس کی تصریح موجود ہے جو روایت مذکورہ سے چندہی سطر کے بعد ہے۔ وھی ھذہ:

عن جابر بن زید عن ابن عباس قال: صلیت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم ثمانیاً جمیعاً وسبعاً جمیعاً قلت: یا أبا الشعثاء أظنه أخر الظهر وعجل العصر وأخر المغرب وعجل العشاء قال: وأنا أظن ذلک. (رواہ مسلم)(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن زیدؓ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے کہا انہوں نے کہ نماز پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعتیں (ظہروعصر کی) ایک ساتھ اور سات رکعتیں (مغرب وعشاء کی) ایک ساتھ، میں نے عرض کیا اے ابوالشعثاء! (کنیت ہے حضرت ابن عباسؓ کی) میرا خیال ہے کہ آپ نے ان نمازوں کوایک کے وقت میں جمع نہیں کیا، بلکہ ظہر کومؤخر اور عصر کومقدم کیا ہوگا اسی طرح مغرب کومؤخر اور عشاء کومقدم کیا ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔

---

(۱) هذاجواب السائل فی مجردالتجمیع من البعض قبل قیام الجماعة الکبریٰ فی ذلک المسجد،أمالوکان الانفراد بالتجمیع حال قیام الجماعة الکبریٰ فهذاأشد منکراًوأعظم ابتداعاً،وأکثر إثماًعلی من بلغه ذلک إن رآه أن ینزل بهم صوداًمن العنوفة،وطرقاًمن التأدیب الشرعی،وأماماسأل عنه السائل - أرشده اللہ - عن قیام جماعة من الناس یصلون العصرجماعة بعدالفراغ من صلاة الجمعة فی المسجدالذی أقمیت فیه الجمعة،فهذافعل للصلاة قبل دخول وقتها،وهومنکرلایحتاج إلی الاستدلال علیه،فتلک الصلاة غیرمجزئة لوقوعها قبل دخول وقتها،والمقرعلی العامة بدعائهم إلی القیام إلی الصلاة فی ذلک الوقت یستحق العقوبة البالغة ، وهذا الأمر منکر مجمع علیه بین جمیع المسلمین، وحرام لایخالف فیه أحد من هذه الأوجه،فإنه إنماسوغ الجمع تقدیماًللمسافرعلی مافیه من ضعف أدلته واحتمالها،والحق تحقیق الصواب الذی صح فی صیغ المسافربموضع التأخیرلاجمع التقدیم.

وأماالمقیم فلم یقل بذلک أحد،ولاأجازه مجیزإلاإذاکان له عذرمن مرض أونحوه،علی مافی ذلک التفاصیل اللتی لایتسع المقام لبسطها،وأماقیام جماعة علی هذه الصفة فی جامع من جوامع المسلمین ==

اس روایت نے صاف بیان کر دیا کہ روایت ابن عباسؓ میں جمع بین الصلوٰتین سے اس کے سوا کچھ مراد نہیں کہ ایک نماز کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اسی کے اول وقت میں اس طرح ادا کیا گیا کہ جو صورۃً جمع ہوگئی۔

اسی وجہ سے حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو باوجود شافعی المذہب ہونے اور جمع بین الصلوٰتین کو جائز رکھنے کے اس روایت میں تسلیم کر لینا پڑا کہ اس میں جمع سے مراد وہی ہے، جو حنفیہؒ کہتے ہیں؛ یعنی جمع صورۃً، جس کی صورت اوپر مذکور ہوئی۔ اس طرح اور جتنی روایات میں جمع کرنا ثابت ہوتا ہے؛ سب میں یہی جمع صوری مراد ہے؛ تاکہ احادیث مذکورۃ الصدر کو جن سے عدم جواز جمع معلوم ہوتا ہے، خلاف نہ پڑیں اور ان کو چھوڑنا نہ پڑے۔ اسی لئے قاضی شوکانیؒ جو اہل ظاہر میں سے ہیں، ظاہر حدیث پر چلتے ہیں کسی امام کے مقلد نہیں اور جن کتابوں کی تقلید اکثر عدم تقلید کے مدعی بھی کیا کرتے ہیں اور ان کی تحریر وتقریر کا مغز انہیں کی کتابیں ہوتی ہیں۔ پہلے نیل الاوطار میں جمع بین الصلوٰتین کو جائز فرماتے ہیں، لیکن جب تتبع روایات اور غور وتامل کی نوبت آئی تو اس سے رجوع کرتے ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ایک رسالہ " **تشنيف السمع بإبطال أدلة الجمع**" تصنیف کیا ہے، جس میں جمع بین الصلوٰتین کے ادلّہ کو باطل کر کے عدم جواز کی حقیقت ثابت کی ہے۔(۱)

اس وقت اتنی ہی گذارش پر اکتفا کیا جاتا ہے، امید کہ بنظر انصاف وتامل ملاحظہ فرما کر اپنے خیال سے رجوع فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی تشفی نہ ہوئی تو انشاء اللہ اس کے بعد مزید براں عرض خدمت کیا جائے گا، بشرطیکہ مقصود اس سے تحقیق حق سمجھی جائے؛ نہ کی مجادلہ۔(والله يهدى من يشاء إلى سواء السبيل) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۷۵-۸۱)

جمع بین الصلوٰتین:

سوال: جمع درمیان مغربین وظہرین میں کوئی حدیث صحیح آئی ہے یا کیا؟

== بعدالفراغ من الصلاة الأولىٰ، سواء كانت صفة أوغيرها لغيرمعذور بين بالأعذار الشرعية فلم يقل به أحد، وقد جمعنا فى هذا رسالةً مطولة فى أيام قديمة دفعنابها قول من قال بجواز الجمع مستدلاعلى ذلك بجمعه صلى الله عليه وسلم من غيرمرض ولاسفر، وأوضحناأن رواةالحديث فسروه بالجمع الصورى، لابهذاالجمع الذى فهمه من لم يرسخ قدمه فى علم الشريعة على أنه لم يعمل به أحدمن علماء الشريعة كماحكاه الترمذى فى آخر سننه فقال: إن صيغ مافى كتابه معمول به إلاحديثين فيه أحدهما، قال المهدى فى البحر مثله، ويحرم الجمع لغيرعذر، قيل إجماعاً. (الفتح الربانى من فتاوىٰ الإمام الشوكانى، بحث فى كثرةالجماعة فى مسجدواحد: ۲۸۵۰/۵، مكتبة الجيل الجديد، يمن، صنعاء. انيس)

(۱) شرح معانى الآثار، كتاب الصلوٰة، باب الجمع بين صلاتين كيف هو (ح: ۵۶۹) انيس

(۲) شرح معانى الآثار، كتاب الصلوٰة، باب الجمع بين صلاتين كيف هو (ح: ۵۷۳) / موطاالإمام مالک، كتاب الصلوٰة (ح: ۱۷۸) / المنتقى للمجد ابن تيمية، باب جمع المقيم لمطر أوغيره. انيس

(۳) سنن الترمذى ابواب السفرباب ماجاء فى الجمع بين الصلوتين (ح: ۵۵۳) انيس

الجواب

جمع بین الصلوٰتین میں احادیث بہت مختلف ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر ہی میں جمع فرمائی۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یجمع بین الصلوٰتین فی السفر. (۱)

بعض سے حضر و سفر عذر غیر عذر میں ہر طرح جائز معلوم ہوتا ہے۔

عن ابن عباس قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعًا فی غیر خوف ولا سفر. وفی روایۃ فی غیر سفر ولا مطر. (۲)

پھر سفر میں بعض حدیث سے جمع تقدیم معلوم ہوتی ہے۔

روی الترمذی عن أبی الطفیل عن معاذ بن جبل أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ تبوک، إذا ارتحل قبل زیغ الشمس، أخر الظہر إلی أن یجمعہا إلی العصر فیصلیہما جمیعاً وإذا ارتحل بعد زیغ الشمس عجل العصر إلی الظہر وصلی الظہر والعصر جمیعاً ثم سار، وکان إذا ارتحل قبل المغرب أخر المغرب حتی یصلیہا مع العشاء، وإذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاہا مع المغرب. (۳)

بعض سے جمع تاخیر۔

عن ابن عمر أنہ کان إذا جدبہ السیر جمع بین المغرب والعشاء بعد ما یغیب الشفق و یقول إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا جدبہ السیر جمع بینہما. (۱)

---

(۱) شرح معانی الآثار، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمع بین صلاتین کیف ھو (ح: ۵۸۳)/کذا فی مسند الإمام احمد، مسند عبد اللّٰہ بن عمر (ح: ۵۱۶۳)/سنن الترمذی، أبواب السفر، باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین (ح: ۵۵۵) انیس

(۲) شرح معانی الآثار، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمع بین صلاتین کیف ھو (ح: ۵۸۷) انیس

(۳) سورۃ النساء: ۱۰۳۔ انیس

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲۳۸. انیس

(۵) مسند الإمام احمد، حدیث عبادۃ بن ثابت (ح: ۲۲۷۰۴)/سنن أبی داؤد، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات (ح: ۴۲۵)/سنن البیھقی الکبری، باب مایستدل بہ علی أن المراد بھذا الکفر (ح: ۶۵۰۰)/موطا الإمام مالک، وقوت الصلاۃ (ح: ۹)/سنن النسائی، فضل الصلاۃ لمواقیتہا (ح: ۶۱۱) انیس

(۶) الصحیح لمسلم، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ (ح: ۶۸۱) بلفظ: إنما التفریط علی من لم یصل الصلاۃ حتی یجیء وقت الصلاۃ الأخریٰ./ وفی سنن أبی داؤد، باب فی من نام عن الصلاۃ أو نسیہا (ح: ۴۴۱): لیس فی النوم تفریط إنما التفریط فی الیقظۃ أن تؤخر صلاۃ حتی یدخل وقت أخریٰ. انیس

(۷) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۳۸۲/۱، دار الفکر. انیس

لیکن یہ کل احادیث دال ہیں جمع حقیقی ووقتی پر، اور بعض احادیث سے جمع صوری وفعلی ثابت ہوتی ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في السفر يؤخر الظهر ويقدم العصر ويؤخر المغرب ويقدم العشاء. والروايات كلها في الطحاوي. (۲)

مگر یہ سب اختلاف ماسواعرفہ ومزدلفہ میں ہے اور وہ دونوں جمع اتفاقی ہیں، پس اضطراب احادیث کا تو یہ حال ہے اور ادھر نصوص قطعیہ واحادیث واخبار کثیرہ فرضیت وتعین اوقات ومحافظت صلوٰۃ واداے نماز براوقات کثرت سے وارد ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾. (۳)

---

(۱) عن أبي الطفيل عن معاذبن جبل أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في غزوة تبوك، إذاارتحل قبل زيغ الشمس، أخر الظهر إلى أن يجمعها إلى العصر فيصليهما جميعاً وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس عجل العصر إلى الظهر وصلى الظهر والعصر جميعاً ثم سار، وكان إذاارتحل قبل المغرب أخر المغرب حتى يصليها مع العشاء، وإذاارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب. (سنن الترمذي، أبواب السفر، باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين (ح:٥٥٣) قال البيهقي في السنن الكبرىٰ بعد رواية هذا الحديث (باب الجمع بين الصلاتين في السفر (ح: ٥٥٢٩) ... محمد بن اسماعيل البخاري يقول: قلت لقتيبة بن سعيد: مع من كتبت عن الليث بن سعد حديث يزيد بن أبي حبيب عن أبي الطفيل؟ فقال: كتبته مع خالد المدائني، قال محمد بن اسماعيل: وكان خالد المدائني هذا يدخل على الشيوخ، قال الشيخ: وإنما انكروا من هذا رواية يزيد بن أبي يزيد عن أبي الطفيل/التلخيص الحبير، باب جوازه في السفر في وقت أحدهما: ٢٥٦/٣/عون المعبود في حل أبي داؤد، باب الجمع بين الصلاتين (ح: ١٢٢٠)/مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ٤٠٨/٤، الفصل الثاني/ردالمحتار، كتاب الصلاة: ٣٨٢/١، دار الفكر. انيس)

☆ **ملفوظ برائے جمع بین الصلوٰتین:**

ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونماز کا جمع کرنا کسی حالت میں درست نہیں، مگر ہاں جمع صوری اس طرح کہ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھے۔ پھر ذرا صبر کرے۔ جب عصر کا وقت داخل ہو جاوے تو عصر کو اول وقت میں ادا کرے تو اس طرح درست ہے۔ ایسا ہی مغرب کو آخر وقت اور عشا کو اول وقت پڑھے تو اس طرح جمع کرنا عذر مرض سے درست ہے، ورنہ درست نہیں۔ ((قوله: عن الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر) أي منع عن الجمع بينهما في وقت واحد بسبب العذر للنصوص القطعية بتعيين الأوقات فلا يجوز تركه إلا بدليل مثله ولرواية الصحيحين قال عبدالله بن مسعود: والذي لا إله غيره ما صلى رسول الله صلى الله عليه صلاة قط إلا لوقتها إلا صلاتين جمع بين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع، وأما ماروي من الجمع بينهما فمحمول على الجمع فعلاً بأن صلى الأولى في آخر وقتها والثانية في أول وقتها ويحمل تصريح الرواي بالوقت على المجاز لقربه منه والمنع عن الجمع المذكور عندنا مقتض للفساد إن كان جمع تقديم وللحرمة إن كان جمع تاخير مع الصحة كمالا يخفى.) (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلوٰة، الجمع بين الصلاتين في وقت بعذر. انيس) فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ:۲۵۹)

وقال: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾. (۴)

وفي الحديث: وصلاهن بوقتهن. رواه أحمد وأبوداؤد ومالک والنسائی. (۵)

وروی مسلم قوله عليه السلام: إنما التفريط فی اليقظة بأن تؤخر صلوٰة إلیٰ وقت الأخریٰ. (۶)

وهذا قاله وهو فی السفر، قاله الشامی. (۷)

لہٰذا حنفیہ نے احادیث مضطربہ سے نصوص محکمہ پر عمل ترک نہیں کیا، بلکہ حتی الوسع سب جمع کیا اور تاویل میں کہا کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے، سفر میں بھی اور حضر میں بھی اور حدیث جمع تقدیم مروی عن ابی الطفیل کو ترمذی نے غریب اور حاکم نے موضوع کہا اور ابوداؤد نے کہا: **ليس فی تقديم الوقت حديث قائم، هكذا فی رد المحتار. (۱)**

اور بر تقدیر ثبوت احتمال ہے کہ بعد زیغ شمس کے آخر ظہر تک قیام فرماتے ہوں اور حدیث تاخیر محمول قرب خروج وقت پر ہے اور تفصیل مبسوطات اور مطولات میں ہے، البتہ ضرورت شدیدہ میں تقلیداً للشافعی جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے۔

ولا بأس بالتقليد عند الضرورة. (الدر المختار فی بحث الجمع) والله أعلم

(امداد، ج:۱، ص:۹۹) (امداد الفتاویٰ: ۸۲/۵-۸۳) ☆

جمع بین الصلوٰتین کی تمام روایتیں جمع صوری پر محمول ہیں:

سوال: یہاں سعودی عرب میں اکثر بارش کے وقت مغرب کی نماز کے ساتھ عشا کی نماز بھی ائمہ حضرات پڑھا دیتے ہیں۔ کیا ہم پاکستانی حنفی المذہب لوگوں کی نماز عشا مغرب کے وقت جائز ہے یا نہیں۔ یعنی جمع بین الصلوتین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جمع بین الصلوٰتین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جمع حقیقی کہ مغرب کے وقت میں عشا پڑھ لی جائے۔

(۲) جمع صوری کہ مغرب آخری وقت اور عشا اول وقت میں پڑھی جائے۔

حنفیہ کے نزدیک بوقت عذر جمع صوری کی اجازت ہے۔ جمع حقیقی درست نہیں ہے۔ حنفیہ کا استدلال قرآن پاک سے بھی ہے اور احادیث سے بھی، چنانچہ اوجز میں بذل سے نقل کیا ہے۔

---

(۱) موطا الإمام مالک برواية محمد بن الحسن الشيبانی، باب الجمع بين الصلاتين فی السفر والمطر (ح: ۲۰۴) / سنن البيهقی، كتاب الصلوٰة، جماع، أبواب صلاة المسافر والجمع فی السفر (ح: ۵۴۳۱) انیس

"واستدل الحنفية علىٰ عدم جواز الجمع فی غیرعرفات والمزدلفة بقوله تعالىٰ:"حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ"أی أدوها فی أوقاتها".

محافظت علی الصلوۃ یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت مقررہ میں ادا کیا جائے۔

"وبقوله تعالىٰ:"إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا"أی لها وقت معین له ابتداء لایجوز التقدم علیه وانتهاء لایجوز التأخر عنه". (أوجز المسالک:۲/۶۲)

پس ہر نماز کے لئے وقت معین ہے۔لہذا اس پر تقدیم یا اس سے تاخیر درست نہ ہوگی۔اس باب میں بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے جمع بین الصلوٰتین حقیقتاً کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

"عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال:" والذی لا إلٰه غیره ما صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلوٰة قط إلا فی وقتها إلا صلوٰتین جمع بین الظهر والعصر بعرفة وبین المغرب والعشاء بجمع" الحدیث. (أوجز المسالک:۲/۶۱)

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه أنه کتب فی الأفاق ینهاهم أن یجمعوا بین الصلوٰتین و یخبرهم أن الجمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر. أخرجه محمد فی الموطأ والبیهقی فی سننه.(۱)

"عن أبی موسیٰ أنه قال:الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذر من الکبائر"أخرجه ابن أبی شیبة.(۱)

مطلب حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس کے وقت مقررہ پر،سوائے دو نمازوں کے،ظہر اور عصر کو عرفہ میں جمع کیا،مغرب اور عشا کو مزدلفہ میں۔

مطلب حدیث: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اطراف والوں کی طرف یہ لکھ بھیجا اور انہیں اس بات سے منع

(۱) المصنف لابن أبی شیبة،باب من کره الجمع بین الصلاتین من غیر عذر (ح:۸۲۵۲،عن أبی موسی، وح:۸۲۵۳ عن عمر رضی اللّٰه عنهما)/کذا فی سنن البیهقی،کتاب الصلوٰة،جماع ابواب صلاة المسافر والجمع فی السفر(ح:۵۴۳۲)انیس

(۲) والحدیث فی سنن الترمذی،کتاب الصلوٰة،باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰة عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم،باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین (ح:۱۸۸)/بدائع الصنائع،فصل شرائط أرکان الصلاة:۱۲۷/۱.انیس

(۳) شرح معانی الآثار،کتاب الصلوٰة،باب الجمع بین صلاتین کیف هو(ح:۵۸۷)/مسند الإمام أحمد، مسند عائشة الصدیقة (ح:۲۵۰۳۹)/المصنف لابن أبی شیبة،من قال:یجمع المسافر بین الصلاتین (ح:۸۲۳۸)/ آثار السنن للنیموی:۷۳/۲،أصح المطابع لکناؤ.انیس

کیا کہ دونمازیں ایک وقت میں پڑھیں، اورانہیں خبر دی کہ دونمازوں کوایک ہی وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے۔

مطلب حدیث: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونمازوں کو بلاعذر جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:من جمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد فقد أتی بابًا من الکبائر. (بدائع)(۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دو نمازوں کوایک وقت میں جمع کیا اس نے کبیرہ گناہ کیا۔

مذکورہ آیات واحادیث سے جمع بین الصلوٰتین کی نفی اور عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ بعض روایات میں آپ علیہ السلام اور بعض صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا جمع بین الصلوٰتین کرنا بھی منقول ہے۔ پھر جمع والی روایات دوطرح کی ہیں۔ بعض وہ ہیں جن میں صرف جمع کا تذکرہ ہے اور کیفیت جمع سے ساکت ہیں، اور بعض میں کیفیت جمع بھی بیان کی گئی ہے، چنداحادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

”عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی السفر یؤخر الظهر ویقدم العصر ویؤخر المغرب ویقدم العشاء. أخرجه الطحاوی وأحمد والحاکم. وإسناده حسن، قاله النیموی. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت سفر نماز ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر اور عشا کو مقدم فرماتے تھے۔

”...إن علیا رضی اللّٰہ تعالٰی عنه کان إذا سافر سار بعد ما تغرب الشمس حتی تکاد أن تظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعَشاء ہ فیتعشی ثم یصلی العشاء ثم یرتحل ویقول هکذا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یصنع“ رواہ أبو داؤد وإسنادہ صحیح. (۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سفر فرماتے تو غروب شمس کے بعد بھی چلتے رہتے۔ جب کچھ اندھیرا ہوجاتا تو مغرب پڑھتے۔ پھر کھانا طلب فرماتے، کھانے سے فارغ ہوکر عشا پڑھتے۔ پھر سفر شروع کردیتے اور فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا جمع بین الصلوٰتین کرنا جمع صوری تھا جمع حقیقی نہ تھا۔

---

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب متی یتم المسافر (ح: ۱۲۳٤)/ السنن الکبریٰ للنسائی، الوقت الذی یجمع فیه المسافر المغرب (ح: ۱٥۸٤)/ مسند أبی یعلیٰ الموصولی، مسند علی بن أبی طالب رضی اللّٰه عنه: ۱/٤۱۸ (ح: ٥٤۸)/ الأحادیث المختارة = المستخرج من الأحادیث المختارة مما لم یخرجه البخاری ومسلم فی صحیحهما (ح: ٦۸۹) انیس

احناف نے ان روایات کو جن میں کیفیت جمع مذکور نہ تھی مفصلہ روایات پر محمول کیا کہ جمع صوری تھی جمع حقیقی نہ تھی۔ ورنہ کتاب اللہ اور احادیث میں تعارض واختلاف لازم آئے گا۔ قیاس اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جمع حقیقی درست نہ ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ عذر سفر ومطر کی بنیاد پر جمع حقیقی کے قائل ہیں۔

اگر موجودہ اغراض موجود بھی ہوں تو فجر اور ظہر کے درمیان جمع کے یہ بھی قائل نہیں ہیں۔ جب یہ عذر فجر وظہر میں مؤثر نہیں تو باقی نمازوں میں بھی موثر نہیں ہونا چاہئے، الحاصل جمع حقیقی درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۱۴۰۶/۸/۴ھ (خیر الفتاویٰ: ۱۹۲/۲-۱۹۴)

جمع بین الصلوٰتین کے جواز میں شرح وقایہ کے حاشیہ کی عبارت سے استدلال اوراس کا تحقیقی جواب:

سوال: حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک حج کے علاوہ کسی جگہ جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں؟ لیکن شوافع ؒ کے نزدیک بحالت سفر جمع تقدیم وجمع تاخیر جائز ہے، لیکن اشکال یہ ہورہا ہے کہ شرح وقایہ کے حاشیہ، ج:۱، ص:۱۵۱، پر کتاب الصلوٰۃ کے آخری صفحات پر مولانا عبدالحی حنفی فرنگی علیہ الرحمۃ شوافع کے مذہب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"أخبار صريحة دالة علىٰ أن النبى صلى الله عليه وسلم فعله فى السفر غير مرة أخرجها الشيخان وأصحاب السنن وغيرهم كما بسطه الحافظ ابن الحجر فى تلخيص الحبير وهذا هو الحق".

جب صحیح اور صریح احادیث ایک نہیں متعدد بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر کے بارے میں جمع تقدیم وتاخیر ثابت ہیں تو پھر حنفیہ حضرات کیوں منع فرماتے ہیں۔ جبکہ "الدین یسر" کے موافق حالت سفر کے الیق طریقہ بھی یہی ہے۔

اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ جب ایک حنفی محقق اس کو تسلیم کررہا ہے، تو پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جواب اول تو یہ تحقیق حنفی محقق ہونے کے زمانہ کی ہونا ضروری نہیں کیوں کہ ان پر کئی طرح کے دور گذرے ہیں نہ

---

(۱) أى فرضاً موقوتاً، قال ابن عباس: فريضة بأوقاتها. (التفسير البسيط، من سورة النساء: ۱۰۳، ج:۷، ص:۶٤/ قال ابن مسعود: إن للصلاة وقتاً كوقت الحج. (تفسير الطبرى: ۷/۴۵۱)/ أى محدودا بأوقات لا يجوز إخراجها عن أوقاتها على أى حال كنتم، خوف أو أمن. (تفسير الزمخشرى، سورة النساء: ۱۰۳، ج: ۱/ص: ۵٦۱) انيس)

معلوم کس زمانہ کی یہ تحقیق ہے۔

دوئمش اگر حنفی محقق ہونے کے زمانہ کی تسلیم بھی کر لیں جب بھی کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ حنفی محقق ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مقلد ابی حنفیہ اس وقت بھی ہیں اور مقلد جب کسی جزئیہ میں اپنی مستقل تحقیق رکھتا ہے، تو وہ اسی کی ذات تک محدود رہتی ہے، دوسروں پر اس کا متوجہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ پس انکار میں کوئی اشکال نہیں۔ یہ تو اصولی اور ضابطہ کا ایک جواب ہے۔ اور دوسرا جواب تحقیقی یہ کہ جن روایات کو شیخین نے نقل فرمایا ہے اور صحیح کہا ہے وہ جمع بین الصلوٰتین کی روایت ہیں اور جمع بین الصلوٰتین کی روایت یا اس کی صحت سے کون منکر ہے جمع بین الصلوٰتین کے مفہوم ومصداق میں اختلاف ہیں۔ اور دوسرے حضرات نے یہ مراد لیا کہ حقیقتاً ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں مقدم یا مؤخر کر کے ادا کرے۔

اور احناف یہ فرماتے ہیں کہ مفہوم کلام الٰہی ﴿إِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (الآية) أي موقتًا" (۱) کے خلاف اور معارض ہیں، نیز ان احادیث کے بھی معارض ہے جس میں نماز کو اس کے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنے پر شدید وعیدیں وارد ہیں اور جس طرح کلام الٰہی وحی ہے اور اس پر تعارض نہیں۔ اسی طرح احادیث بھی وحی ہیں غیر متلو سہی، ان میں بھی حقیقتاً تعارض نہیں ہوسکتا۔ یہ جو کچھ تعارض بظاہر نظر آتا ہے، یہ مخاطب کے طرز فہمی یا وسائط رواۃ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

---

(۱) "ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر و مطر خلافاً للشافعي، وما رواه محمول على الجمع فعلاً لا وقتاً". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة: ۳۸۱/۱، سعيد)

"ولا يجمع بين الصلاتين في وقت واحد، لا في السفر ولا في الحضر بعذر ما، ما عدا عرفة والمزدلفة، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۵۲/۱، رشيدية)

عن عبد اللّٰه قال: ما رأيت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم صلى صلاة إلا لوقتها إلا بالمزدلفة فإنه جمع بين الصلاتين المغرب والعشاء وصلى الصبح يومئذ في غير وقتها. (مسند الحميدي، أحاديث عبداللّٰه بن مسعود (ح: ۱۱۴)/ مسند البزار، عبدالرحمن بن يزيد عن عبداللّٰه (ح: ۱۹۰۷) انيس)

☆ حنفی کا غیر حنفی کے پیچھے جمع بین الصلاتین کرنا:

سوال: یوم عرفہ نویں ذی الحجہ کو مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں جماعت سے ایک ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔ اس مسجد میں حنبلی امام نے اگر امامت کی تو ایسی حالت میں حنفی فقہ کی رو سے مصلی کو کیا قصر کرنا درست ہے، جب کہ امام یہ دونوں نمازیں قصر ہی ادا کرتا ہے؟ حنبلی فقہ کی رو سے کیا چار پانچ میل پر قصر واجب ہو جاتا ہے، اس حالت میں حنفی مصلی جماعت سے عصر کی نماز ادا کرے یا الگ نماز ادا کرے یا الگ نماز پڑھ لے؟ ==

اس لیے جب ایسا محمل موجود ہے؛ جس میں تعارض بین الروایات والنصوص واقع نہ ہو؛ تو اسی مفہوم ومصداق کو لیا جائے گا اور انہی وجوہ سے احناف جمع بین الصلوٰتین کی احادیث میں محض جمع صوری لیتے ہیں۔ بجز ان زمانۂ حج کی جمع بین الصلوٰتین (کے) جو احادیث متواترہ سے اسی طرح ثابت ہیں کہ وہ ہی مقدم یا مؤخر شدہ اوقات اس دن کے اوقات معلوم ہوتے ہیں، فلا تعارض ولا اشکال۔

پس ان اصول کے پیش نظر کسی محقق کی تحقیق خواہ وہ حنفی ہی ہو ہم پر حجت نہیں ہوسکتی، بلکہ اس محقق کی تحقیق کو ترجیح دیدینا باعث اشکال ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۴/۶/۱۳۹۰ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۲۹-۳۱)

حالت سفر میں جمع بین الصلاتین:

سوال: جمع بین الصلاتین بحالتِ سفر کرسکتے ہیں یا نہیں؟

== الجواب ـــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اس صورت میں حنفی اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے، دونوں نمازیں الگ الگ اپنے وقت میں پڑھے۔ (”وأطلق الإمام فشمل المقيم والمسافر، لكن لوكان مقيماً كإمام مكة، صلى بهم صلاة المقيمين، ولايجوزله القصرو لاللحاج الاقتداء به: أى فى حال قصره، (أماإذا صلى صلاة المقيمين فيقتدون به)

قال: الإمام الحلوانى: كان الإمام النسفى يقول: العجب من أهل الموقف يتابعون إمام مكة فى القصر، فأنّٰى يستجاب لهم أويرجى لهم الخيروصلاتهم غيرجائزة؟)

قال شمس الأئمة: كنت مع أهل الموقف، فاعتزلت وصليت كل صلاة فى وقتها وأوصيت بذلك أصحابى“. (رد المحتار، كتاب الحج، فصل فى الاحرام: ۲/۵۰۰، سعيد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۷/۱/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۵۷-۳۵۸)

(۱) (ولاجمع بين فرضين فى وقت بعذر) سفرومطر، خلافاً للشافعىؒ ومارواه محمول على الجمع فعلاً، لاوقتاً (فإن جمع فسد لوقدم) الفرض علىٰ وقته (وحرم لوعكس) أى أخره عنه (وإن صح) بطريق القضاء (إلالحاج بعرفة ومزدلفة). (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، قبيل باب الأذان: ۱/۳۵٤، ظفير) / كذا فى المحيط البرهانى، الفصل الثالث فى تعليم أعمال الحج: ۲/۴۲۷-۴۲۸ / والبحر الرائق، الاغتسال ودخول الحمام للمحرم: ۲/۳٦۲. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین سفر میں بھی جائز نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۷/۵) ☆

کیا ظہر وعصر ایک وقت میں پڑھنا درست ہے:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر اور عصر ایک ساتھ ایک وقت میں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یا نہ، جب کہ اس کو اس بات کا خیال ہے کہ شروع عصر کے وقت سے اخیر وقت تک کاروبار دنیاوی سے فرصت نہ ملے گی، اگر جمع کرنا ظہر وعصر کا جائز ہے؛ تو کب؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ظہر اور عصر ایک ساتھ ظہر میں پڑھنا درست نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا تو صرف ظہر کی نماز ہوئی، عصر کی نماز اس کے ذمہ رہی۔

حنفیہ کے نزدیک حج میں عرفات کے سوا کہ وہاں ظہر وعصر جمع کی جاتی ہے اور ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں اور کہیں کسی وقت سفر وحضر میں جمع کرنا ظہر وعصر کا ظہر کے وقت میں درست نہیں ہے۔ اسی طرح مغرب وعشاء حنفیہ کے نزدیک سوائے مزدلفہ کے اور کہیں جمع نہیں ہوسکتی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۱/۲-۸۲)

ظہر، عصر کو اکٹھے اور مغرب، عشا کو اکٹھے پڑھنا:

سوال: کیا ہم ظہر اور عصر اور مغرب وعشا ملا کر پڑھ سکتے ہیں؟ کچھ علما سے سنا ہے کہ مغرب کی نماز کے پندرہ منٹ بعد ہی عشا کی نماز اور ظہر کے ساتھ عصر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، ان نمازوں کے اوقات کے بارے میں جواب درکار ہے کہ سورج کی حرکت کے تحت ان نمازوں کے کیا اوقات ہیں؟ حج کے دوران بھی ظہر وعصر ایک ساتھ ادا

(۱) عشاء کی نماز صبح صادق سے پہلے کیوں صحیح نہیں ہوگی؟ غالباً یہاں ''صبح صادق'' کے بجائے ''شفق ابیض'' کا لفظ صحیح ہے۔ انیس

(۲) عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في السفر يؤخر الظهر ويقدم العصر ويؤخر المغرب ويقدم العشاء. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلوٰة، باب الجمع بين صلاتين كيف هو (ح: ٥٨٧) انيس)

ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر و مطر خلافاً للشافعي، وما رواه محمول على الجمع فعلاً لا وقتاً، فإن جمع فسد لو قدم الفرض على وقته وحرم لو عكس أي أخره عنه... إلخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة: ٣٨٢/١) دار الفكر بيروت)

کی جاتی ہیں۔

الجواب

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾. (سورۃالنساء:۱۰۳)

''یعنی بے شک نماز مؤمنوں کے ذمہ فرض کی گئی ہے، مقررہ اوقات پر''۔

کوئی شخص صبح کی نماز صبح صادق (۱) سے پہلے پڑھ لے یا ظہر کی نماز چاشت کے وقت پڑھ لے یا مغرب کی نماز عصر کے وقت پڑھ لے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اسی طرح عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھ لینا یا عشا کی نماز کو مغرب کے وقت میں پڑھ لینا جب کہ عشا کا وقت نہ ہوا، صحیح نہیں۔

البتہ احادیث میں ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھنے کی یہ صورت تجویز کی گئی ہے کہ!

ظہر کی نماز اس کے آخری وقت میں؛ اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھ لی جائے، دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئیں، لیکن صورۃً جمع ہوگئیں۔

اسی طرح مغرب کی نماز اس کے آخری وقت میں اور عشا کی نماز اس کے اوّل وقت میں پڑھ لی جائے، اس صورت میں بھی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئیں، لیکن صورۃً جمع ہوگئیں۔ جب آدمی کو سفر کی جلدی ہو تو جمع بین الصلوٰتین کی یہ صورت تجویز کی گئی ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۲۱۵-۲۱۶)

مغرب وعشا ایک وقت میں پڑھنا:

سوال: سعودی عرب خصوصاً نجد کے علاقے میں جب بھی بارش ہوتی ہے یا کسی روز شدید مسلسل بارش کی وجہ سے اکثر مساجد میں صلوٰۃ المغرب کے ساتھ صلوٰۃ العشاء بھی پڑھ لیتے ہیں، ایسی صورت میں ہم لوگ کیا کریں؟ کیا وقتی طور پر جماعت کے ساتھ مل جائیں اور بعد میں اعادہ کرلیں وقت عشا آنے پر؟ ایسی صورت میں نماز جو قبل از وقت

(۱) ولا یجمع بین الصلاتین فی وقت واحد لافی السفر ولا فی الحضر بعذر ما ماعدا عرفة والمزدلفة كذا فی المحیط. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۵۲، كتاب الصلاة الباب الأول، الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات)

(۲) ونحن نأخذ من الفروع من اتفق علیه العلماء لاسیما هاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیة والشافعیة وخصوصاً فی الطهارة والصلوٰة فإن لم یتیسر الاتفاق واختلفوا فنأخذ بما یشهد له ظاهر الحدیث ومعروفه و نحن لانزدری أحداً من العلماء، فالكل طالبوا الحق ولانعتقد العصمة فی أحد غیر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، الخ. (التفهیمات الإلٰهیة: ۲/۲۰۲. انیس)

ادا کی گئی ہے، نوافل شمار ہوسکتی ہے؟

الجواب

ہمارے نزدیک بارش کے عذر کی وجہ سے عشا کی نماز مغرب کے وقت پڑھنا صحیح نہیں، آپ عشا اپنے وقت پر پڑھا کریں، یہ جماعت جو قبل از وقت کی جارہی ہے اس میں شریک ہی نہ ہوں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۱۳/۳)

دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کا مسئلہ:

سوال: اگر حالت مرض وسفر میں جمع بین الصلوٰتین کرلیوے تو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ شدت مرض وسفر سخت کی تکالیف میں فوت ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور اس کے جواز پر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کا مسلک بھی ہے کہ مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں۔ مختار فقیر جواز ست وقت عذر وعدم جواز بغیر عذر اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم بھی جواز کے قائل ہیں مجموعہ فتاویٰ میں لہذا ایسے عذرات میں آپ کے نزدیک بھی جواز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ مقلد کے دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا ہے تو وقت ضرورت کے جائز ہے، عامی کو کہ اس کو سب کو حق جاننا چاہئے۔ اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو دوسرے امام کے قول پر عمل کرلیوے، اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجب ضرر اور حرج دین کا ہوتا ہے۔ فقط

یہی مذہب اپنے اساتذہ کا ہے، جیسا کہ استاذ اساتذتنا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ (۲) (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۶)

دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کا مسئلہ:

سوال: ہمارے یہاں کشمیر میں خطرات کی وجہ سے عشا کی نماز کا پڑھنا مشکل ہے، اکثر مسجدوں میں وقت سے پہلے نماز ادا کرتے ہیں، عوام الناس رات کو خطرہ محسوس کرکے میقات الصلوٰۃ سے نصف گھنٹہ قبل عشا کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔

(۱) کیا اس خطرہ کے پیش نظر جمع بین الصلاتین جائز ہے؟

(۲) اگر جمع جائز ہے تو عشا کے لئے صرف تکبیر کافی ہے، یا اذان بھی؟

(۱) ولا جمع بين فرضين فى وقت بعذر سفر ومطر خلافًا للشافعي وما رواه محمول على الجمع فعلاً لا وقتًا. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان: ٤٥/٢)

(۲) وقت المغرب منه إلٰى غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما فى شروح المجمع وغيرهما، فكان هو المذهب. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى الصلاة الوسطىٰ: ١٧/٢-١٨)

(۳) قوله: عن الجمع بين الصلاتين فى وقت بعذر) أى منع عن الجمع بينهما ==

(۳) اگر جمع جائز (نہ ہو) تو کیا گھروں میں تنہا نماز پڑھیں، اور جماعت سے مسجد میں نہ پڑھیں۔

(۴) کیا ایسی صورت میں شوافع کے مسلک پر عمل کر کے غروب شفق احمر پر عشا ہمارے لئے درست ہوگی، اگر ہے، تو شفق احمر وابیض میں کتنا فاصلہ رہتا ہے؟

(۵) فی الحال ہماری مسجد میں دو جماعتیں ہوتی ہیں، ۹ بجے اور ساڑھے ۹ پر۔

(۶) اگر جمع حقیقی عند الخوف جائز ہوگی تو خوف کی کیا نوعیت ہوگی؟

(۷) مغرب کے بعد فورسز کی طرف سے بھوت بن کر ان کے آدمی بستیوں میں آ کر لوگوں کو زخمی یا اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے نماز عشا کے بارے میں کیا کریں؟

هو المصوب

(۱) جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے۔(۱)

اگر خطرہ کی وجہ سے مسجد جانا ممکن نہ ہو تو گھر پر نماز ادا کریں گے۔

(۲-۳) اوپر جواب لکھا گیا۔

(۴) غروب شفق احمر صاحبین کے یہاں ہے، اس لئے حنفی بھی اس پر عمل کر سکتے ہیں۔(۲)

== فی وقت واحد بسبب العذر للنصوص القطعية بتعيين الأوقات فلايجوز تركه إلابدليل مثله ولرواية الصحيحين، قال عبدالله بن مسعود: والذى لاإله غيره ماصلى رسول الله صلى الله عليه صلاةقط إلالوقتهاإلاصلاتين جمع بين الظهر والعصر بعرفةوبين المغرب والعشاء بجمع،وأماماروى من الجمع بينهما فمحمول على الجمع فعلاً بأن صلى الأولى فى آخر وقتهاو الثانية فى أول وقتها ويحمل تصريح الرواى بالوقت على المجاز لقربه منه والمنع عن الجمع المذكور عندنا مقتض للفساد إن كان جمع تقديم وللحرمة إن كان جمع تأخير مع الصحة كما لايخفى.(البحرالرائق شرح كنزالدقائق،كتاب الصلوٰة،الجمع بين الصلاتين فى وقت بعذر.انيس)

(۱) عن عبد الله رضى الله عنه قال:مارأيت النبى صلى الله عليه وسلم صلى صلاة بغيرميقاتها إلا صلاتين:جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجرقبل ميقاتها.(صحيح البخارى،كتاب الحج،باب متى يصلى الفجربجمع (ح:١٦٨٢)/الصحيح لمسلم،باب استحباب التغليس لصلاة الصبح يوم النحر بالمزدلفة (ح:١٢٨٩)

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم فى السفريؤخرالظهرويقدم العصرويؤخرالمغرب ويقدم العشاء.(شرح معانى الآثار،ج:١،ص:١٦٤،كتاب الصلاة،باب الجمع بين صلاتين كيف هو (ح:٩٨٥)

قال الطحاوى:ثم هذا عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه أيضًا.ولا يجمع عندنا فى سفربمعنى أن يصلى العصرمع الظهرفى وقت إحداهما والمغرب مع العشاء كذلك خلافًا للشافعى بل بأن يؤخرالأولٰى إلٰى آخروقتها فينزل فيصليها فى آخره ويفتتح الآتية فى أول وقتها وهذا جمع فعلاً لا وقتًا.(فتح القدير،ج٢،ص:٤٥)

(۲) وقد وقع فى أحاديث الجمع شىء من الاضطراب ففى بعضها عن ابن عباس رضى الله عنهما، ==

(۵) غروب شفق احمر پر پڑھ سکتے ہیں۔

(۶) اس پر جمع جائز نہیں ہے۔(۳)

(۷) جولوگ ہمت خطرہ کی بنا پر نہیں کرسکتے ہوں وہ اپنے گھر پر عشا کی نماز ادا کریں،خوف کا تعین وہاں کے لوگ اپنی صواب دید سے کریں گے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۳۰-۳۳۱)

نماز عصر کو ظہر کے ساتھ پڑھنا:

== جمع صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر،وفى بعضها، جمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولامطر،قيل لابن عباس ما أراد إلى ذلك؟ قال: أراد أن لا يحرج أمة ولم يقل منا ومنهم بجواز الجمع لذلك أحد وكيف وما تقدم من حديث التعريس يعارضه معارضة ظاهرة.(فتح القدير،باب صلاة المسافر :۲/۴۵)

(۱) عن ابن عباس قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجمع بين صلاة الظهر والعصر إذا كان على ظهر سفر ويجمع بيين المغرب والعشاء.(الصحيح للبخارى،باب الجمع فى السفر بين المغرب والعشاء (ح:۱۱۰۷)

عن ابن عباس قال:جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة فى غير خوف ولامطر.وفى حديث وكيع قال:قلت لابن عباس:لم فعل ذلك؟قال:كى لايحرج أمته،وفى حديث أبى معاوية قيل لابن عباس:ماأراد إلى ذلك،قال:أراد أن لايحرج أمته.(الصحيح لمسلم،باب الجمع بين الصلاتين فى الحضر (ح:۷۰۵)انيس)

(۲) (ولا جمع بين فرضين فى وقت بعذر سفر ومطر خلافاً للشافعى،الخ، ... ولابأس با لتقليد عند الضرورة لكن بشرط)فقد شرط الشافعى لجمع التقديم ثلاثة شروط:تقديم الأولىٰ،ونية الجمع قبل الفراغ منها، وعدم الفصل بينهما بمايعد فاصلا عرفاً ولم يشترط فى جمع التأخير سوى نية الجمع قبل خروج الأولىٰ،نهر.،الخ. (الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلوة،قبيل باب الأذان: ۱/۳۸۱-۳۸۲،ط: سعيد كمپنى)

ثم لجمع التقديم ثلاثة شروط:أحدها:أن يبدأ بالأولىٰ بأن يصلى الظهر قبل العصر والمغرب قبل العشاء لأن الوقت للأولىٰ والثانية تبع لها والتابع لايتقدم على المتبوع فلوبدأ بالثانية لم تصح ويعيدها بعد الأولىٰ.الشرط الثانى:نية الجمع عند تحرم الأولىٰ،أوفى أثنائها على الأظهر فلايجوز بعد سلام الأولى.الشرط الثالث:الموالاة بين الأولىٰ والثانية والتابع لايفصل عن متبوعه ولأنه الوارد عنه عليه الصلاة والسلام ولهذا يترك الرواتب بينهما فلو وقع الفصل الطويل بينهما امتنع ضم الثانية إلى الأولىٰ ويتعين تأخيرها إلى وقتها سواء طال بعذر كالسهو والإغماء وغيره أم لا،ولايضر الفصل القصير ... أما جمع التأخير فلايشترط الترتيب بين الصلاتين ولانية الجمع حال الصلاة على الصحيح والموالاة ،الخ.(كفاية الأخيار فى حل غاية الاختصار،باب قصر الصلاة وجمعها: ۱/۱۳۹.انيس)

سوال: جماعت اسلامی کا سہ روزہ اجلاس الٰہ آباد میں منعقد ہوا، نماز ظہر کے بعد جلسہ کا اختتام تھا، نماز ظہر سے قبل ہی یہ اعلان ہوا کہ نماز ظہرین پڑھی جائے گی ،ظہر وعصر کی نماز دونوں ظہر کے وقت ہی ادا کی گئی، دووقت کی نماز کیا ایک ہی وقت میں پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

هـو المصـوب

جو حنفی مسلک کے ہیں وہ جمع نہیں کر سکتے ہیں، ان کو ان کے اوقات میں نماز ادا کرنا ہوگا۔ جو اہل حدیث ہوں یا شافعی مسلک کے ہوں وہ مسافر ہونے کی صورت میں جمع کر سکتے ہیں۔(۱) حدیث کی توضیح وتشریح میں اختلاف ہے۔(۲) اس لئے مذاہب بھی الگ الگ ہیں۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۳۱-۳۳۲)

دونمازوں کو اکٹھے ایک وقت میں پڑھنا جائز نہیں:

(الجمعیۃ: مورخہ ۲۴/جولائی ۱۹۲۹ء)

سوال: اگر کوئی صحیحین کی احادیث جمع بین الصلوتین (۱) کو جمع صوری پر محمول کرنے کو تاویل محض سمجھ کر جمع حقیقی پر

(۱) ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتاً﴾.(سورة النساء: ۱۰۳)

قال أبوبكر :قد انتظم ذلک إيجاب الفرض ومواقيته لأن قوله تعالىٰ كتاباً معناه فرضاًوقوله موقوتاًمعناه أنه مفروض فى أوقات معلومة معينة فأجمل ذكرالأوقات فى هذه الآية وبينها فى مواضع أخرمن الكتاب من غيرذكر تحديد أوائلها وأواخرها وبين علىٰ لسان الرسول صلى الله عليه وسلم تحديدهاومقاديرها فمما ذكرالله فى الكتاب من أوقات الصلاة قوله:﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ذكرمجاهدعن ابن عباس لدلوک الشمس،قال:إذا زالت الشمس عن بطن السماء لصلاة الظهرإلىٰ غسق الليل،قال:بدوالليل لصلاة المغرب،وكذلک روى عن ابن عمرفى دلوكها وروى أبووائل عن عبدالله بن مسعود قال:إن دلوكهاغروبها وعن أبى عبدالرحمن السلمى نحوه قال أبوبكر:لما تأولوا الآية على المعنيين من الزوال ومن الغروب دل على احتمالها لولا ذلک لما تأوله السلف عليهما والدلوک فى اللغة الميل فدلوک الشمس ميلها وقد تميل تارة للزوال وتارةً للغروب،وقد علمنا أن دلوكها هوأول الوقت وغسق الليل نهايته وغايته لأنه قال إلىٰ غسق الليل وإلىٰ غاية ومعلوم أن وقت الظهرلايتصل بغسق الليل لأن بينهما وقت العصرفالأظهرأن يكون المراد بالدلوک ههنا هوالغروب وغسق الليل ههنا هواجتماع الظلمة لأن وقت المغرب يتصل بغسق الليل ويكون نهاية له واحتمال الزوال مع ذلک قائم،لأن مابين زوال الشمس إلىٰ غسق الليل وقت هذه الصلاة وهى الظهروالعصر والمغرب فيفيد ذلک أن من وقت الزوال إلىٰ غسق الليل لاينفک من أن يكون وقتاً لصلاة فيدخل فيه الظهروالعصروالمغرب ويحتمل أن يراد به العتمة أيضًا،لأن الغاية قد تدخل فى الحكم لقوله تعالىٰ:﴿وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾...فإن حمل المعنى على الزوال انتظم أربع صلوات،ثم قال﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾وهوصلاة الفجرفتنتظم الآية الصلوات الخمس،الخ.(أحكام القرآن للجصاص،باب مواقيت الصلاة: ۳/۲٤۸.انيس)

محمول سمجھتا ہو، احیاناً اس پر عمل کرے تو اس کا یہ فعل موافق سنت کے سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب

حنفی کو جمع بین الصلوٰتین حقیقۃً کرنی جائز نہیں۔ الا یہ کہ کسی شدید ضرورت کے موقع پر امام شافعی کے مسلک پر عمل کرے تو معذور ہوگا۔ (۲) فقط (کفایت المفتی: ۳/۷۱)

بیک وقت پانچ نمازوں کی ادائیگی:

سوال: میں ایسی جگہ کام کرتا ہوں، جہاں دو پہر کی نماز کسی مجبوری کی بنا پر نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا میں پانچ وقت کی نماز بیک وقت ساتھ پڑھتا ہوں، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتاً﴾. (سورة النساء: ۱۰۳)

عن طلحة بن عبيدالله قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس نسمع دوى صوته ولا نفقه مايقول، حتى دنا فإذا يسأل عن الإسلام، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس صلوات في اليوم والليلة، قال: هل على غيرهن؟ قال: لا، إلا أن تطوع. (موطأ الإمام مالك، باب جامع الترغيب في الصلاة (ح: ۹٤)/مسند الشافعي، ترتيب السندي، باب الإيمان والإسلام (ح: ۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن للصلاة أوّلاً وآخرًا ..." الخ. (سنن الترمذي، باب منه (يعني ما جاء في مواقيت الصلوٰة) (ح: ۱۵۱)/الصحيح لمسلم، باب أوقات الصلوات الخمس (ح: ٦۱۲/ ۱۳۸۹) انيس)

(۲) لأن الوقت كما هو سبب لوجوب الصلاة فهو شرط لأدائها... حتى لا يجوز أداء الفرض قبل وقته... الخ. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۱، فصل في شرائط الأركان، طبع ايچ ايم، سعيد)

لما كانت فائدة الصلاة وهي الخوض في لجة الشهود والانسلاك في سلك الملائكة لاتحصل إلا بمداومة عليها وملازمة عليها وملازمة بها وإكثارمنها حتى تطرح عنهم أثقالهم، ولايمكن أن يؤمروا بمايفضى إلى ترك الارتفاقات الضرورية والانسلاخ عن أحكام الطبيعة بالليلة أوجبت الحكمة الإلٰهية أن يؤمروا بالمحافظة عليها والتعهد لها، بعدكل برهة من الزمان ليكون انتظارهم للصلاة وتهيؤهم لها قبل أن يفعلوها وبقية لونها وصبابه نورها بعد أن يفعلوها في حكم الصلاة وتكون أوقات الغفلة مضمونة بطمح بصر إلى ذكر الله وتعلق خاطر بطاعة الله ويكون حال المسلم كحال حصان مربوط بآخية يستن شرفاً أوشرفين ثم يرجع إلى أختيه ويكون ظلمة الخطايا والغفلة لاتدخل في جذر القلب، وهذا هو الدوام المتيسر عندما امتنع الدوام الحقيقي ثم لماآل الإلى تعيين أوقات الصلاة لم يكن وقت أحق بها من الساعات الأربع التي تنتشر فيها الروحانية وتنزل فيها الملائكة ويعرض على الله أعمالهم ويستجاب دعائهم وهي كالأمر المسلم عن جمهور أهل التلقي من الملأ الأعلى لكن وقت نصف الليل لايمكن تكليف الجمهور به - كما لايخفى - فكانت أوقات الصلاة في الأصل ثلاثة والفجر والعشي وغسق الليل، الخ. (حجة الله البالغة، أوقات الصلاة: ۳۱۷، ۳۱۸. انيس)